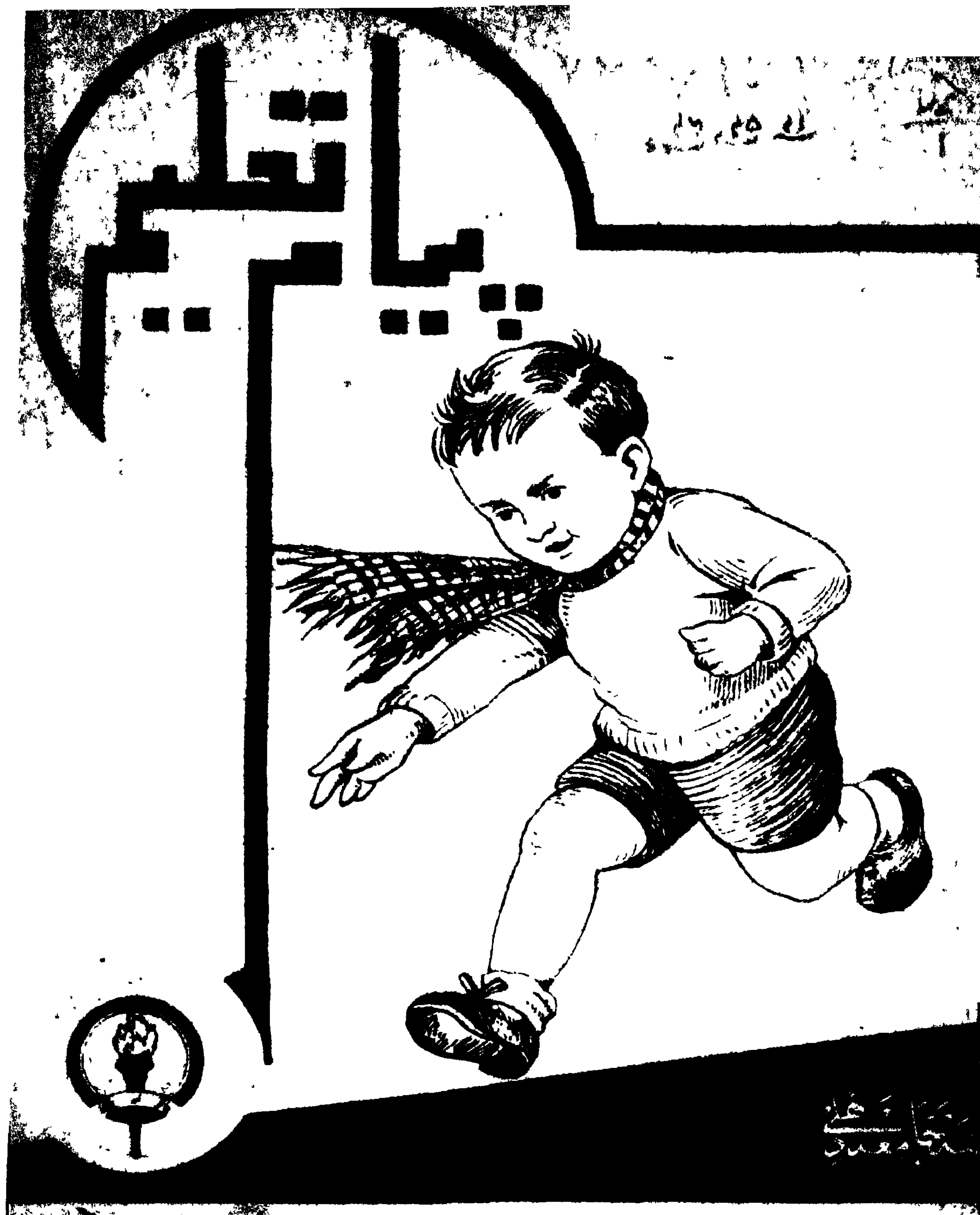
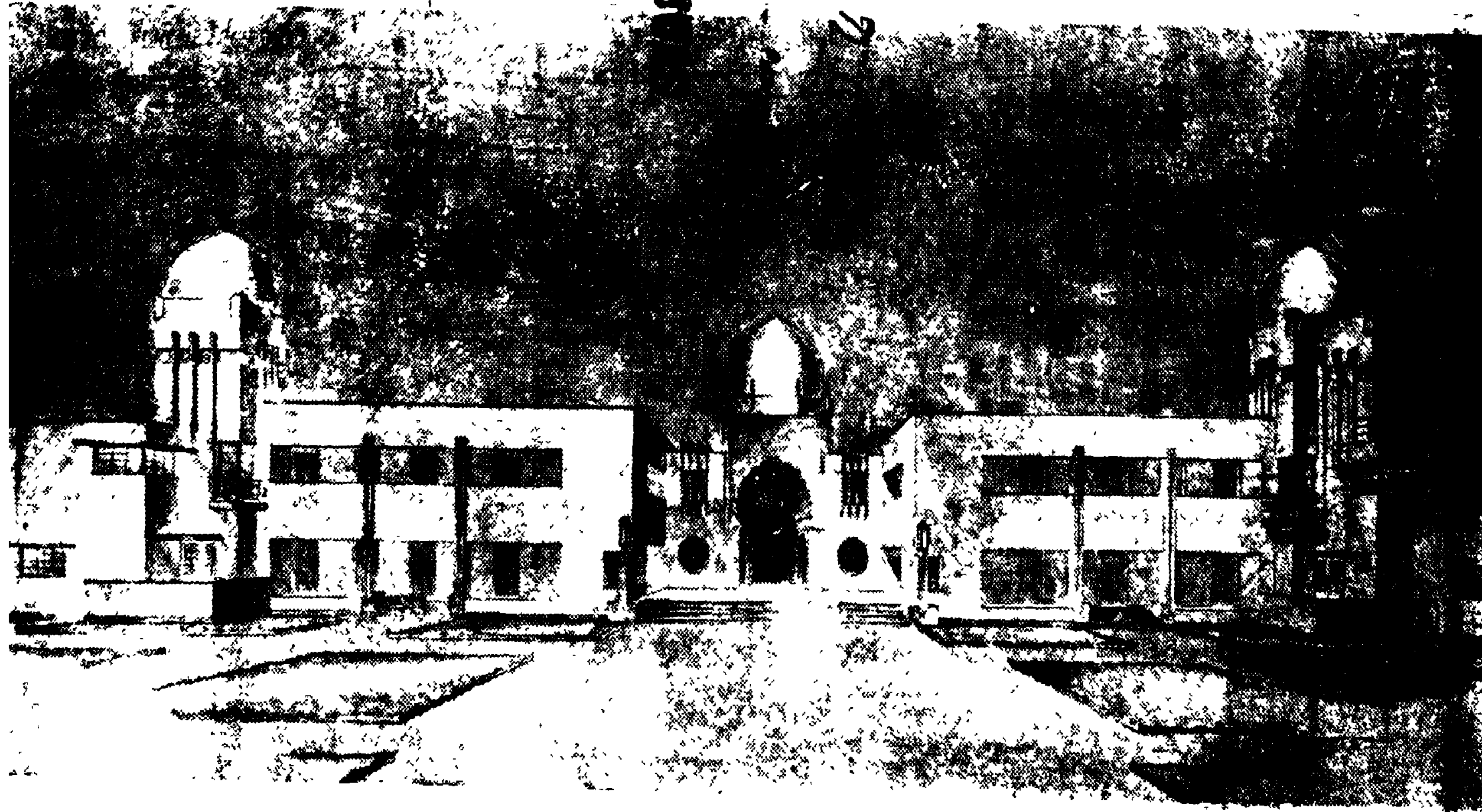

علم الانسان ما لم یعلم
ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی
شعبہ
شمارہ
عدد داخلہ 3411


پیام تعلیم

جامعہ کا ایک دارالاقامہ



۲۹-اکتوبر کو جامعہ کو قائم کئے ہوئے' ۲۴ سال ہو جائیں گے۔

پیام تعلیم

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

نمبر ۱	اکتوبر ۱۹۴۴ء	جلد ۲

فہرست مضامین

قیمت سالانہ عہ
فی پرچہ ۳ر

پیام تعلیم۔ دہلی، یوپی، سی پی، بہار، میسور، قلات، بنگال، ریاست حیدرآباد، سندھ، کشمیر، پنجاب، بہاولپور اور سرحد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ منیجر

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی محبوب المطابع برقی پریس دہلی



پیامِ تعلیم کا نیا دور

مولوی محمد شفیع الدین نیّر صاحب

تعلیم کے فلک پر، تعلیم کا ستارا
اک بار پھر ہوا ہے قسمت سے آشکارا

آہا پیام آیا تعلیم کا ہماری
آہا پیامِ تعلیم آیا ہمارا پیارا

ہیں اور بھی رسالے اُردو کی انجمن میں
لیکن اِس انجمن کو اِس شمع نے نکھارا

رہتا ہے رات دن یہ دُکھ سُکھ میں اُن کا ساتھی
بچّوں کی خوش دلی کا ہے دائمی سہارا

ہونے کو اور بھی ہیں کچھ پھول اِس چمن میں
لیکن پیامِ تعلیم اِک پھول ہے ہزارا

اِسلام اور وطن کا خادم ہے یہ سدا سے
آگے اُسے بڑھانا اِک فرض ہے ہمارا

اُن سب کو ہو مُبارک دورِ جدید اُس کا
ہاتھوں نے جن کے پھر سے اِس باغ کو سنوارا

کرتا ہے دل سے اِس کا نیّر بھی خیر مقدم
کہتا ہے، یہ "دوبارہ بچّوں کا ہو دُلارا"

بچوں سے باتیں

یہ لیجئے جناب آپ کا پیام تعلیم حاضر ہے کوئی گیارہ مہینے پہلے نومبر کا پرچہ تمہارے پاس پہنچا تھا دسمبر کا پرچہ چھپنے کے لئے بالکل تیار رکھا تھا۔ کاغذ کی تلاش ہو رہی تھی مگر جناب کاغذ نہ ملنا تھا نہ ملا

تم نے دسمبر کے پرچے کا تھوڑے دنوں تو انتظار کیا اور پھر جو خط آنے شروع ہوئے ہیں تو جواب دینا مشکل ہو گیا۔ اب تک کئی ہزار خط تو دفتر میں آچکے ہوں گے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے

ان خطوں میں غصہ بھی ہوتا تھا جھنجھلاہٹ بھی ہوتی تھی کبھی کبھی ہلکی ہلکی دھمکیاں بھی ہوتی تھیں۔ یہ سب کڑوے گھونٹ ہم شربت کی طرح پی جاتے تھے اور اپنے کام میں لگے رہتے تھے بلکہ یہ خیال کر کے خوشی ہوتی تھی کہ تمہیں اپنا پرچہ کتنا عزیز ہے اور اس کی جدائی سے تم کتنے پریشان ہو۔

وہ جو ایک مثل ہے "کھٹ کھٹ کئے جاؤ کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے" تو جناب ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ برابر کھٹ کھٹ کئے ہی گئے شکر ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلا اور پیام تعلیم پھر تمہارے ہاتھوں میں پہنچے گا۔

ہمیں اس سلسلے میں بہت کچھ تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھانا پڑیں ایک ہمیں پر کیا ہے۔ لڑائی کی وجہ سے ہر ایک کچھ نہ کچھ پریشان ہے اور مشکلوں میں پھنسا ہوا ہے۔ شکر ہے کہ بہت کچھ دوڑ دھوپ کے بعد کاغذ مل گیا ہے اور اب امید ہے کہ پرچہ برابر نکلتا رہے گا۔

یہ پرچہ اکتوبر میں شائع ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے لئے بہت نیک فال ہے۔ ہماری جامعہ اسی مہینے میں قائم ہوئی تھی اور جس طرح جامعہ خوب پھول پھل رہی ہے اسی طرح ہمارا پیام تعلیم بھی خوب ترقی کرے گا۔

اس پرچے میں "سرحد پار" کے عنوان سے ایک کہانی چھپ رہی ہے۔ یہ بالکل سچی کہانی ہے۔ سرحد کے علاقے میں ایسی باتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اس کہانی کو پڑھو اور اندازہ کرو کہ آزاد لوگوں اور غلاموں کے اخلاق میں کتنا فرق ہوتا ہے۔

اس کہانی کے علاوہ اس پرچے میں اور بھی اچھے اچھے مضمون ہیں۔ جیب گھڑی نہ تھی، منظوم لطیفے، کیمپ فائر تمہیں خاص طور پر پسند آئیں گے۔ تیر صاحب نے ہمیں ایک تازہ نظم مرحمت فرمائی ہے "پیام تعلیم کا نیا دور" امید ہے کہ پیامی اسے پسند کریں گے۔ بھالو والی اور کوے والی نظمیں بھی پڑھنے کی چیز ہیں

جب گھڑی نہ تھی

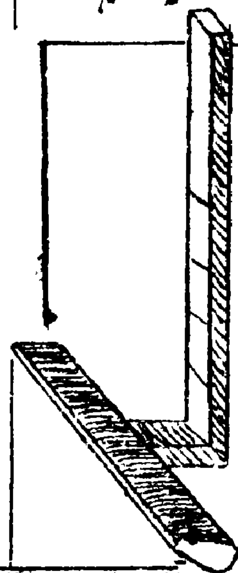


یہ تو تمھیں معلوم ہی ہوگا کہ سورج تمھارے لئے پھل پکاتا، کیڑے مکوڑے ہلاک کرتا اور پانی برساتا ہے۔ اُس روز بھیگ جانے کے بہانے تمھیں چھٹی بھی مل جاتی ہے۔ لیکن شاید تمھیں یہ معلوم نہ ہو کہ تمھاری سب سے پرانی گھڑی بھی سورج ہی ہے۔ جب تمھاری گھڑی ٹھیک وقت نہیں دیتی تو وقت کا اندازہ لگانے کے لئے تم سورج ہی کی طرف دیکھتے ہو۔

اگر تم اپنے درجے کے سامنے میدان میں ایک چھوٹی سی لکڑی گاڑ دو تو تم دیکھو گے کہ دن کے گھٹنے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس لکڑی کا سایہ بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے کبھی تو لکڑی کی لمبائی کا کئی گنا ہو جاتا ہے، کبھی اُس کے برابر، کبھی اُس کا آدھا اور ٹھیک بارہ بجے گویا کہ سورج کی گرمی سے پریشان ہو کر اُس کی جڑ میں چھپ رہتا ہے۔ ہم لوگوں سے پہلے بہت پہلے کے لوگوں نے بھی جب کچے مکانات تک نہ تھے اور بس کھوہ میں یا درختوں پر مچان بنا کر بسرا کرتے تھے، سایے کے گھٹنے بڑھنے کا تماشا دیکھا ہوگا۔ وہ چاہتے تو اس سے وقت کا تھوڑا بہت اندازہ بھی لگا سکتے تھے۔ لیکن انھیں وقت جاننے کی کیا پڑی تھی۔ تمھاری طرح نہ انھیں نو بجے مدرسے جانے کی فکر تھی، نہ وقت پر اسٹیشن پہنچنے کا خیال، نہ چاء پینے کا کوئی وقت تھا، نہ سونے اور اُٹھنے کی پابندی۔ سورج نے طلوع ہو کر کام کا وقت بتلایا اور جب وہ پچھم میں جا چھپا تو وہ سمجھے کہ سونے کا وقت آن پہنچا۔ جب بھوک لگی کھا لیا۔ وہ بھی اگر کوئی شکار ہاتھ لگا تو، ورنہ بھوکے ہی پڑ رہے

لیکن زمانے کی حالت ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب لوگوں نے کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا، کپڑے پہننے لگے اور دوسری چھوٹی موٹی ضروریات بھی نکل آئیں۔ بھئی اب تو انھیں تھوڑی سی فکر نے آگھیرا، پہلے تو یہ تھا کہ دن بھر شکار کے

پیچھے مارے مارے پھرتے رہے، مل گیا تو واہ واہ، نہیں تو شام کو گھر لوٹ آئے اور ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ کر سو رہے۔ لیکن اب تو کئی کام نکل آئے۔ کھیت بھی جوتنا ہے، آٹا بھی پیسنا ہے، کپڑے بھی بننے ہیں اور دوسرے چھوٹے موٹے کام بھی کرنے ہیں۔ لہٰذا اب یہ فکر رہنے لگی کہ کوئی ایسی شکل نکل آئے کہ سارے کام ہو جایا کریں۔ مجبوراً اب ہر کام کے لئے تھوڑا تھوڑا وقت نکالنا پڑا۔ انھوں نے درختوں کے سایے کو دیکھ کر صبح دوپہر اور شام کا اندازہ لگایا۔ اور اسی حساب سے اپنا کام بانٹا۔ یہ بھی دیکھا کہ ہر صبح جب سورج نکل آتا ہے اور دن چڑھنے لگتا ہے تو سایے چھوٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوپہر کو تقریباً غائب ہو جاتے ہیں۔ دوپہر کے بعد درخت کے دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ اور طویل ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ شام کی تاریکی میں غائب ہو جاتے ہیں۔ سایے کے گھٹنے بڑھنے اور اس کے غائب ہونے کا نظارہ انھیں بڑا دلچسپ معلوم ہوا ہوگا۔ سایے کے گھٹنے بڑھنے کا تماشا تو انھوں نے دیکھا لیکن تمھاری طرح لکھے پڑھے تو تھے نہیں کہ بس اتنی سی بات پر گھڑی تیار کر لیتے !!



سب سے پہلی گھڑی جو ہمارے علم میں ہے وہ "سایے کی گھڑی" ہے۔ یہ مصریوں نے ایجاد کی تھی۔ اس گھڑی کی شکل یہ ہے۔ قینچی اور کاغذ کی مدد سے تم بھی یہ گھڑی بنا سکتے ہو۔ اب ذرا سمجھو کہ یہ گھڑی کیوں کر وقت دیتی تھی۔

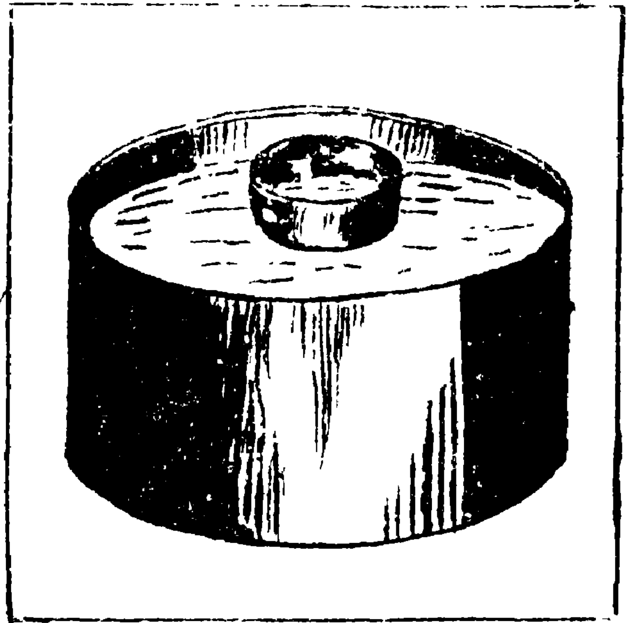
صلیب کی شکل کا جو ٹکڑا ہے۔ اس کا رخ صبح کے وقت پورب کی طرف کر دیتے تھے اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس ٹکڑے کا سایہ اس حصے پر پڑنے لگتا تھا جو لمبا لمبا ہوتا تھا یہ لمبا ٹکڑا چھ حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ لیکن یہ حصے برابر برابر نہ تھے، سایے کی رفتار بھی تو یکساں نہیں ہوتی۔ سایہ دوپہر تک آہستہ آہستہ گھٹتا ہے اور دوپہر کے بعد تیزی سے بڑھتا ہے۔

ہر روز ٹھیک دوپہر کو گھڑی کا منھ پھیر کر پچھم کی طرف کر دیتے تھے۔ اب صلیب کا سایہ پھر لمبے ٹکڑے پر پڑنے لگتا۔ لیکن ذرا فرق کے ساتھ، دوپہر سے پہلے تو سایہ صلیب کی طرف آ رہا تھا اور اب صلیب سے ہٹتا جاتا ہے۔ اس وقت سایے کی رفتار میں خاصی تیزی بھی ہوتی تھی۔ نشان سے انھیں یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ سایہ جب فلاں نشان پر آ جاتا ہے تو دن ڈھلنے لگتا ہے اور فلاں نشان پر پہنچتا ہے تو دن ڈوب جاتا ہے اس طرح انھیں یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ سورج کے چھپنے میں بس دو نشانات کی دیر اور ہے، لاؤ جلد جلد دن کا کام

نہ بتا سکیں۔

یہ تو ہوا سایے کی گھڑی کا قصہ۔

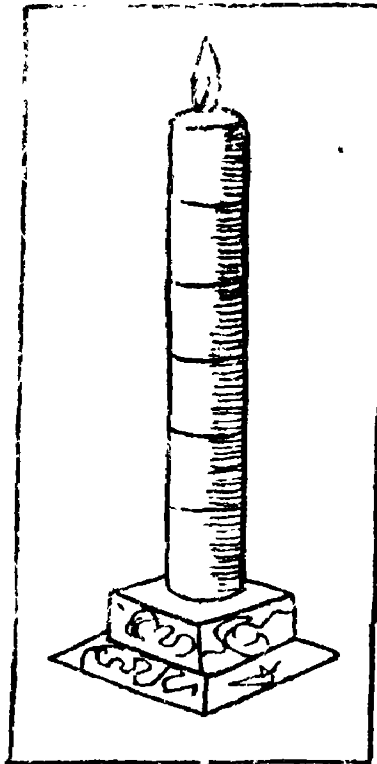
دوسری گھڑی پانی کی تھی۔ سایے



کی گھڑی تو مصریوں یا اُن لوگوں کے لیے جن کو ہر وقت سورج کی روشنی میسر تھی، بہت خوب تھی وہ بڑی آسانی سے دن کا پتہ لگا لیتے تھے لیکن دنیا میں ایسے ملک بھی تو ہیں جہاں بارش یا بادل کی وجہ سے ہفتوں سورج کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ مثلاً انگلینڈ، سائبیریا کا شمالی حصہ یا گرین لینڈ وغیرہ۔ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" ان ملکوں کے لوگوں نے بھی اپنے لئے "پانی کی گھڑی" ایجاد کر لی۔ یہ ایجاد اُس زمانے میں ہوئی جب لوگوں نے لوہے کے ہتھیار کا استعمال شروع کر دیا تھا جسے تاریخ میں لوہے کا زمانہ کہتے ہیں۔ یہ گھڑی یوں بنائی گئی کہ تانبے کا ایک بڑا سا برتن لے کر اُس میں پانی بھر لیتے تھے پھر اس برتن میں ایک چھوٹا سا دوسرا کٹورا تیرا دیتے تھے۔ اس چھوٹے سے کٹورے میں ننھے ننھے سوراخ ہوتے تھے۔ ان سوراخوں سے پانی آہستہ آہستہ کٹورے میں آتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں کٹورا ڈوب جاتا تھا۔ کٹورے کو دوبارہ بھر کر پھر تیرا دیتے تھے اور وہ اتنی ہی دیر میں پھر ڈوب جاتا تھا اس طرح وہ لوگ دن کو بجائے گھنٹوں کے کٹوروں سے ناپتے تھے۔

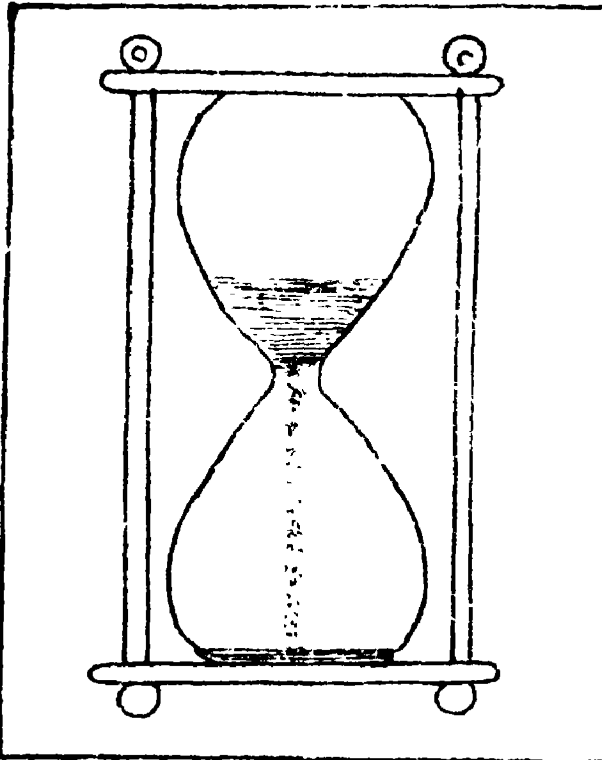
انگلستان میں ایک بادشاہ تھا، جس کا نام تھا الفرڈ (ALFRED) کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ بہت نیک اور رعایا پرور تھا۔ جو بادشاہ اپنی رعایا کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اُنھیں کام بھی بہت زیادہ کرنا پڑتا ہے شیر شاہ اور اکبر صرف تین یا چار گھنٹے سوتے تھے۔ باقی وقت رعیت کے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ ہاں تو بادشاہ الفرڈ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے اوقات کو اس طرح تقسیم کرے کہ سارا کا سارا کام دن دن بھر میں پورا ہو جایا کرے۔ بہت سوچ بچار

کے بعد اس نے بھی ایک گھڑی ایجاد کی۔ یہ گھڑی "موم بتی" کی تھی۔ بھلا یہ کیسے؟ ایک ایسے دن جب سورج پوری طرح چمک رہا تھا اُس نے ایک



موم بتی روشن کی اور یہ دیکھنے لگا کہ یہ موم بتی کتنی دیر میں جل جاتی ہے۔ جیسے ہی پہلی موم بتی ختم ہوئی۔ اس نے دوسری روشن کر دی۔ جب کئی موم بتیاں جلا چکا تو اُسے معلوم ہوا کہ اگر چار لمبی لمبی موم بتیاں یکے بعد دیگرے جلائی جائیں تو ایک دن کی صبح سے لے کر دوسرے دن کی صبح تک جلتی رہیں گی۔ یعنی ۲۴ گھنٹے تک۔ غور کرنے سے بہت سی باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ الفرڈ کو بھی یہ اندازہ ہو گیا کہ ایک موم بتی تقریباً چھ گھنٹے تک جلتی رہتی ہے۔ اس لئے اُس نے ہر موم بتی پر چھ برابر برابر نشان لگا دیئے اب وہ نشانوں کے ذریعے بڑی آسانی سے یہ معلوم کر لیتا تھا کہ وہ کتنے گھنٹے کام کر چکا ہے۔

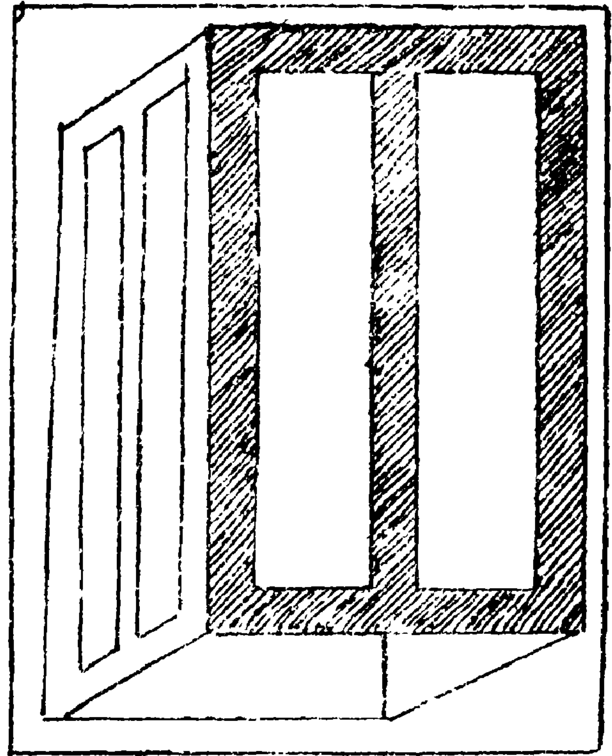
لیکن یہ نہ سمجھو کہ بس اس موم بتی کی گھڑی نے اس کی ساری پریشانیوں کا خاتمہ کر دیا اکثر یہ ہوتا تھا کہ تند ہوا کے جھونکوں کے [illegible] اس کی موم بتیاں بڑی تیزی سے جلنے لگتی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں اُس کی گھڑی بہت تیز چلنے لگتی تھی۔ اس ہوا کو روکنے کے لئے اُس نے لکڑی کا ایک چھوٹا سا خانہ بنایا اور اس میں سینگ کی کھڑکیاں لگائیں



تاکہ موم بتی باہر سے نظر آتی رہے۔ تم کہتے ہو گے سینگ کی کھڑکیاں کیوں؟ تو شیشہ کہاں تھا

اس زمانے میں !! الفریڈ نے سینگ کے باریک باریک ٹکڑے لے کر انھیں پتھر سے خوب گھسا۔ یہاں تک کہ ان میں سے آر پار نظر آنے لگا۔ یہ تو اس کی گھڑی کا خانہ تیار ہو گیا۔ اب وہ ہواؤں کی زد سے محفوظ ہے نہ کبھی سست ہوگی نہ تیز۔

ریت گھڑی پرانی گھڑیوں میں سب سے بعد کی ایجاد ہے۔ یہ یوں بنی کہ لکڑی کے ایک



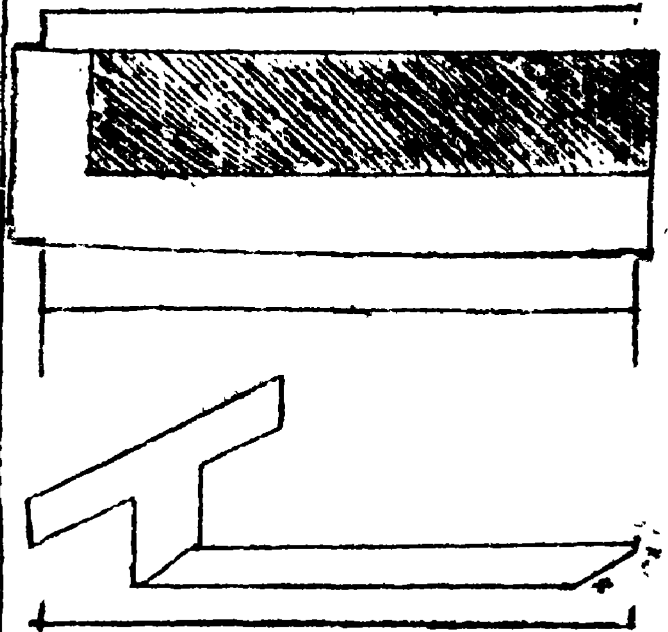
خانے میں بیضوی قسم کے دو گلاس نصب کر دیے۔ دونوں کے بیچ میں باریک سا راستہ ہوتا تھا، اوپر والے خانے میں مہین ریت بھر دیتے تھے جو آہستہ آہستہ نیچے کے گلاس میں گرتی رہتی تھی۔ جب اوپر کا گلاس بالکل خالی ہو جاتا تو گویا ایک گھنٹہ ختم ہو گیا۔ اب نیچے کا گلاس الٹ کر اوپر کر دیتے تھے۔ یہ لو گھڑی پھر چلنے لگی۔

اب تم ذرا ان پرانی گھڑیوں کو دیکھو۔ اور اپنی نئی گھڑی پر بھی ایک نظر ڈالو، ہے کوئی مشابہت ان دونوں میں؟ پھر بھی اس کا اندازہ تو تمھیں ہو ہی گیا ہوگا کہ پرانی گھڑیوں کا تمھاری نئی گھڑی پر کتنا زبردست احسان ہے۔ ہر چیز کا شروع میں یہی حال ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں آدمی کی عقل اور اس کا علم بڑھتا جاتا ہے ویسے ہی اس کی ایجادوں کا بھدا پن بھی دور ہوتا جاتا ہے اور ان میں نفاست آتی جاتی ہے۔

گھڑیوں کا افسانہ تو تم نے پڑھ لیا افسانہ کیا کچھ علمی سی باتیں تھیں۔ آؤ اب کچھ کھیل کھیلیں اور دیکھیں کہ یہ گھڑیاں ہم خود بھی بنا سکتے ہیں یا نہیں۔

پہلے مصریوں والی سایے کی گھڑی بناؤ۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا لے لو، تقریباً ۷ انچ لمبا اور ۴ ۱/۲ انچ چوڑا۔ اس کو یوں موڑو جس طرح تصویر میں مڑا ہوا ہے۔

جتنے حصے پر پنسل کا نشان ہے اُسے کاٹ کر پھینک دو، ٹکڑے کو کھول لو یہ حرف (T) نکل آیا اسے موڑ کر وہ شکل بنا لو جو تصویر میں بنی ہوئی ہے۔ اب وہ حصہ جو لا بنا لا تنا



زمین پر پڑا ہی اس پر چھ نشان لگا لو۔ یہ ہو گئی تمھاری سایے کی گھڑی۔

اب بنا لو پانی کی گھڑی بہت آسان ہے۔ ٹین کا کوئی ڈبہ لے لو۔ اس میں باریک باریک سوراخ کر دو اور پانی میں رکھ کر دیکھو کہ کتنی دیر میں ڈوبتا ہے۔ بتاؤ تو کے ڈبوں کا ایک دن ہوا؟

اب رہی الفرڈ والی موم بتی کی گھڑی۔ اس کا تماشا بہت دلچسپ رہے گا۔ بڑی سی ایک موم بتی لے لو، اس پر چھ برابر برابر نشان لگا لو۔ نشان لگانے کی بجائے، موم بتی کو چھ مختلف رنگوں سے رنگ دو۔ اب اس کے جلنے کا تماشا دیکھو۔ یہ یاد رکھنا کہ ہر رنگ کا خانہ ایک گھنٹے کے برابر رہے۔ اس موم بتی کے خول کی تصویریں تو اس کی ڈرائنگ تم خود بنا سکتے ہو۔

ریت گھڑی بنانا چاہتے ہو؟ بنا بنایا شیشہ کہاں سے ملے؟ تم تصویر کی شکل کے گیلی مٹی کے دو گلاس نما برتن بنا لو۔ یاد رکھو دونوں کے بیچ کا راستہ بہت ہی باریک ہونا چاہیے۔ ورنہ ساری کی ساری ریت پانچ ہی منٹ میں نیچے کے برتن میں جا گرے گی۔ اور تم اپنے دل میں ہنسو گے کہ پہلے کے لوگ بھی بڑے بھولے تھے۔ پانچ منٹ کو ایک گھنٹہ کہتے تھے۔ حالانکہ قصور تمھارا ہی ہے!! جب یہ برتن خشک ہو جائیں، اوپر کے خانے میں باریک ریت بھر دو۔ یہ ہو گئی تمھاری چوتھی گھڑی۔ اور پانچویں گھڑی۔ واہ بھئی وہ تو تمھاری میز پر موجود ہی ہو گی!! ....

کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے

از راجہ مہدی علی خاں

کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے

وادی وادی گھومنے جاتے | مٹک مٹک کر قدم اُٹھاتے
ہنستے کھیلتے شور مچاتے | جنگل جنگل کے پھل کھاتے

کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے

تھپ تھپ کوئی طبلہ بجاتا | کوئی مزے کی تان اُڑاتا
کوئی ناچتا کوئی گاتا | چاندنی راتوں میں لطف آتا

کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے

سیریں کرتی اپنی ٹولی | کھیلتے مل کر آنکھ مچولی
بولتے ہم ریچھوں کی بولی | پیاری پیاری بھولی بھولی

کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے

گھاس پر اپنے بستر ہوتے | دیر سے اُٹھتے جلدی سوتے
سونے میں وقت اپنا کھوتے | اُٹھ کر کبھی نہ ہم منہ دھوتے

کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے

سرحد پار

محمد شفیع الدین نیّر

شام کا وقت تھا۔ اندھیرا چھا چکا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد ہم دو چار دوست آپس میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ مزے مزے کی کہانیاں، مزے مزے کے لطیفے مزے مزے کی نقلیں اور چٹکلے کچھ ایسے دلچسپ معلوم ہوئے کہ کئی گھنٹے گذر گئے اور جمائیوں اور انگڑائیوں نے نیند کا پیغام لا سنایا۔ اس وقت موضوع بھی ذرا خشک ہی تھا یعنی اس زمانے کے اخلاق پر کچھ بات چیت ہو رہی تھی۔ ایک صاحب اگالدان میں پیک تھوکتے ہوئے بولے "اب پرانے زمانے کے اخلاق پر فاتحہ پڑھیے۔ نیا زمانہ ہے، نیا رنگ ہے (نئی باتیں ہیں اور نئی رنگینیاں)۔ گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ" ہمارے ایک دوست بولے "آپ کا یہ خیال ٹھیک ہے کہ اب پرانے اخلاق جن کا حال کتابوں میں لکھا ہوا ہے اب روزمرہ کی زندگی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی جگہ نئے اخلاق جاری ہو رہے ہیں۔" تیسرے صاحب بولے سچائی، ایثار، مہمان نوازی، ہمدردی، ادب یہ سب باتیں اب نام کے لئے ہیں۔ ان کا دنیا میں وجود نہیں ہے۔ ایک صاحب جو سیر و سفر کرنے کے عادی اور کچھ لکھنے پڑھنے سے لگاؤ رکھتے ہیں بولے "ان باتوں کے غائب ہونے کا سبب قومی حکومت کا چلا جانا ہے۔ لوگ حاکموں کے طریق پر چلنا پسند کرتے ہیں اس لئے محکوم قوم کے اخلاق حکومت کے ساتھ ساتھ رخصت ہو جاتے ہیں اور جہاں جہاں کوئی جماعت آزاد ہے اس نے ان اخلاقی خصوصیات کو کم نہیں کیا۔ مثلاً میں ایک مہمان نوازی کی مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس زمانے میں یہ مثال سن کر آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی!"

یہ سننا تھا کہ نیند و نند سب بھول کر ہم لوگ سراپا شوق بن گئے اور ہم نے اصرار کیا کہ وہ کوئی ایسی مثال پیش کریں وہ بولے:۔

چند ہی ماہ کا ذکر ہے ہم دو تین آدمی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں پشاور جا رہے تھے ہم سب سفید گاڑھے کا لباس پہنے ہوئے تھے اور ہمارے

سر پر کشتی نما گاڑھے کی ٹوپی تھی جو آج کل عرفِ عام میں گاندھی ٹوپی کہلاتی ہے۔

ہم جس ڈبے میں سوار تھے اس میں دو نوجوان پٹھان بھی بیٹھے تھے جن کے چہرے سے جوانی پھٹی پڑتی تھی۔ اُن میں سے ایک ذرا ممتاز تھا۔ ان کی مادری زبان پشتو تھی مگر پہلا تھوڑی بہت اُردو سمجھ لیتا تھا

پہلے تو ہم ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہے پھر ایسی صورتیں پیدا ہوگئیں کہ ہمارے درمیان کافی بات چیت رہی اور کھانے پینے میں بھی ہم سب شریک رہے۔

ہمیں معلوم ہوا کہ یہ دونوں نوجوان کسی آزاد قبیلے کے فرد ہیں۔ یعنی اس علاقے میں رہتے ہیں جہاں نہ انگریزی سرکار کی حکومت ہے نہ بادشاہ افغانستان کی۔ اُن لوگوں کا کام خدا کی سرزمین پر آزادی کے ساتھ پھرنا اور کسی آزادی پیشے سے اپنی روزی کمانا ہے۔ یہ لوگ بڑے ذکی الحس ہوتے ہیں اور اپنی آن پر جان دے دینا ایک معمولی کھیل سمجھتے ہیں۔ موقع ہو تو لوٹ مار اور قتل و غارت سے بھی پرہیز نہیں کرتے اور یہ عادت ان میں کچھ ایسی پختہ ہے کہ غیر نہ ملے تو آپس ہی میں بات بات پر کٹ مرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

پشاور سے ہم لنڈی کوتل جانا چاہیے تاکہ پہاڑوں کا منظر دیکھیں۔ ہماری خواہش جب اس نوجوان کو معلوم ہوئی تو اس نے ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی اور اصرار کیا کہ ہم دو چار روز اس کے ہاں مہمان رہ کر اس آزاد سرزمین کی سیر کا لطف اُٹھائیں۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے اس کی دعوت قبول کر لی اور ہم تینوں آدمی ان دو نوجوانوں کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ پشاور سے ہمارے ساتھ ایک بڈھا افغانی بھی سوار ہوا جو خرچ نہ ہونے کی وجہ سے پیدل چل کر اپنے ملک جانا چاہتا تھا۔ یہ بڈھا بھی مہمانوں میں داخل کر لیا گیا۔ ہم جب اس اسٹیشن کے قریب پہنچے جہاں اُترنا تھا تو اُس سے پہلے اس نوجوان نے کاغذ کے ٹکڑے پر ایک پیغام لکھا اور ریل کی سڑک کے ایک طرف کھیلنے والے لڑکوں کو آواز دے کر اپنی طرف مخاطب کیا اور کاغذ کی گولی بنا کر ان کی طرف پھینک دی۔

گولی ملتے ہی ان میں سے کچھ لڑکے بھاگ کر نظر سے غائب ہوگئے۔ ریل سے اُتر کر ہم اسٹیشن سے باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پندرہ سولہ آدمی رائفلیں لئے ہوئے بے تحاشا ہماری طرف بھاگے چلے آتے ہیں۔

ہم ان کے ہاتھوں بہت سے بھائی بندوں کی گرفتاری اور خواری کا حال سنتے رہتے تھے اس جماعت کو دیکھ کر ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

اور ہم دل میں کہنے لگے کہ "خدا خیر کرے"۔ ہمارا یہ حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ ان لوگوں نے ہمیں سلام کیا اور ہم کو اپنے حلقے میں لے لیا اور جلوس کی صورت میں ہم اس گڑھی میں پہنچے جہاں ہمارا میزبان رہتا تھا، اور جہاں ہمیں ٹھہرنا تھا۔

ہم لوگ ایک کمرے میں گئے۔ یہ کمرا اچھا خاصا ہال تھا۔ بیس بائیس چارپائیاں اس میں بچھی ہوئی تھیں۔ بیچ میں ایک چبوترا تھا۔ اس پر قالین بچھے ہوئے تھے۔ اور چبوترے کے درمیان آگ روشن تھی۔

جاتے ہی چائے کا دور ہوا۔ ہم لوگوں نے چائے پی۔ پھر سب نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا۔

دوسرے دن کوئی دو بجے ہمارے میزبان نے ہم سے سیر کرنے کے لئے چلنے کو کہا۔ ہمارا بوڑھا ساتھی تکان کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہ جا سکا۔"

ہم نے پوچھا۔ "اور جناب کھانا کیسا تھا اور کس طرح کھایا گیا؟"

وہ مسکرا کر بولے "دیکھا نہ رال ٹپک پڑی خیر یہ بھی سن لیجئے۔ کھانے میں پلاؤ آیا۔ پوری سینی چوٹی دار بھری ہوئی تھی اور اس میں بڑے بڑے بوٹے فربہ دنبے کے گوشت کے تھے۔ گھی کا کیا کہنا، بالکل خالص۔ اور چاول بھی بہت پرانے اعلیٰ درجے کے۔ سینی آتے ہی سارا کمرا مہک اٹھا۔ سب لوگ سینی کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور سب نے اشتہا کے مطابق خوب پیٹ بھر کر کھایا۔

ہم لوگوں نے بہت سے مسلح لوگوں کی حفاظت میں مختلف مناظر دیکھے۔ اور چار بجے کے قریب جب ہم گھر لوٹ رہے تھے دو آدمی دوڑتے ہوئے دکھائی دیے۔ ہمارے نوجوان میزبان کے قریب آکر انھوں نے یہ خبر دی کہ ہال کی چھت اچانک گر پڑی اور بڈھا مہمان اس کے نیچے دب گیا۔

یہ خبر سننی تھی کہ نوجوان کا رنگ اچانک بدل گیا۔ ہائے کہہ کر ایک گھونسا اس نے اپنی چھاتی میں مارا اور صدمے سے بیتاب ہو کر اس طرح زمین پر بیٹھ گیا جیسے کوئی سالہا سال کا بیمار ہوتا ہے۔ اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے "آہ میرا مہمان مرجائے اور میں زندہ رہوں۔ اب میں دنیا میں کسی کو اپنا منہ کس طرح دکھاؤں گا۔ کاش اس حسرتناک خبر سننے کے لئے میں زندہ نہ رہتا۔"

ہم نے جیسا کہ دستور ہے اس کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر ہم اس کے غم و اندوہ کو کسی طرح کم نہ کر سکے۔ اس حیص بیص میں کافی وقت گزر گیا۔ وہ بادل ناخواستہ اٹھا اور بیمار دل کی طرح لڑکھڑاتا ہوا گھر کی طرف چلا کہ بڈھے کی تجہیز و تکفین کی جائے۔

خدا کا کرنا ابھی تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ پھر دو آدمی دوڑتے ہوئے ہماری طرف آتے دکھائی دیئے۔ مگر ان کے چہروں سے خوشی ٹپک رہی تھی۔ اُنھوں نے آتے ہی کہا " خدا کا شکر ہے کہ وہ بڈھا سلامت ہے۔ عمارت کی چھت ضرور گری مگر بڈھے پر آنچ نہیں آئی وہ اس وقت پاس کی ایک مسجد میں نماز پڑھنے گیا ہوا تھا۔ یہ حادثہ اس کی غیر موجودگی میں ہوا۔ ہم لوگ سمجھے کہ بیچارا بڈھا کام آیا۔" یہ سنتے ہی نوجوان کے چہرے پر مسرت کا خون دوڑ گیا۔ وہ اس خبر کو سن کر اتنا خوش ہوا گویا اس کو ہفت اقلیم کا خزانہ مل گیا۔ اسی خوشی میں وہ آپے سے باہر ہو کر ناچنے لگا اور اچھلتا کودتا اور ہرن کی طرح کلیلیں بھرتا تیزی کے ساتھ گھر پہنچا اور بڈھے کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور اس کی منہ، ڈاڑھی اور اس کی آنکھیں اس جوش سے چومنے لگا کہ جس کا بیان بہت مشکل ہے۔

ہم لوگ دو روز اور رہے اور مہمانی کا جو حق ہے وہ ہمارے ساتھ اس نے ادا کیا۔ اور اس کی وجہ سے ہم لوگ نہایت امن اور آرام سے رہے۔ ہمارے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہ آئے گا کہ ہم اجنبی اور یہاں کے لئے غیر ہیں۔ بلکہ یہی معلوم ہوا کہ گویا اپنے گھر ہیں۔ دیکھا آپ نے یہ ہوتی مہمان نوازی" اور ایسے ہوتے ہیں میزبان"۔ ہم نے کہا "حق ہے"۔

یہ قصہ ہم لوگ حیرت سے سنتے رہے اور جب ختم ہوا تو احساس ہوا کہ رات کتنی گذر گئی ہے ہمارے ایڈیٹر دوست بولے :۔ " خدا حافظ" اور اس طرح یہ دلچسپ صحبت ختم ہوئی +

منظوم لطیفے

بھائی جان

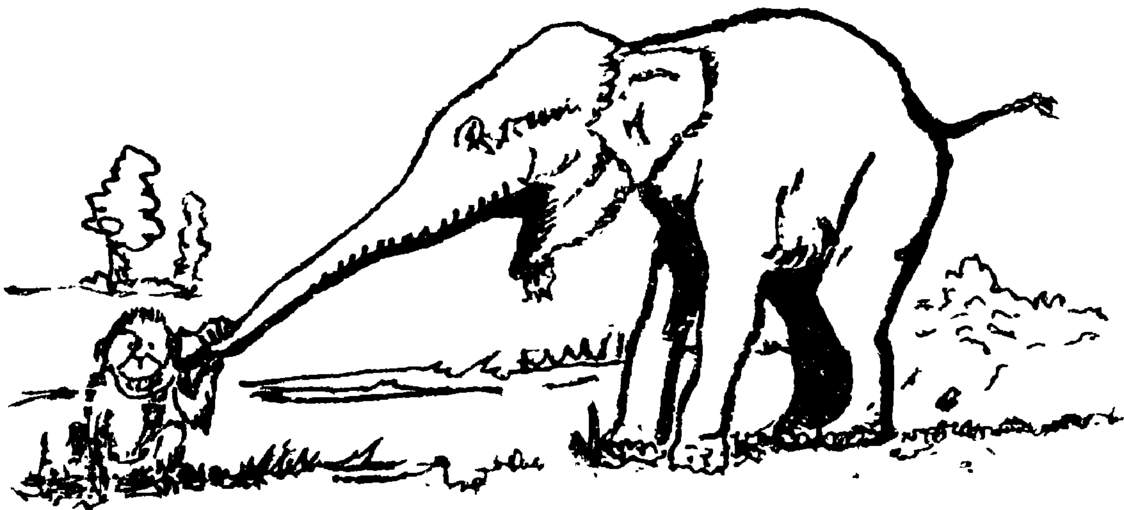
جھاڑی سے اک سینگ تھا نکلا
لیکن سینگ یہ تھا گینڈے کا
طوطا تھا اک شاخ پہ بیٹھا
سینگ کو سمجھا دوسرا طوطا





سوچ کے یہ، وہ طوطا بولا
کہو بھئی طوطے حال ہے کیسا
گینڈے نے یہ سُن کر جھاڑی سے
اپنا سارا چہرا نکالا
چہرا جب نکلا جھاڑی سے
طوطے کے تب ہوش اُڑے

ایک تھا ہاتھی ایک تھا بندر
رہتے تھے وہ جنگل کے اندر
بندر کو اک ہنسی جو سوجھی
بولا سوچ کے بھائی ہاتھی
انسانوں کی نقل اُتاریں
ہم بھی ٹیلیفون بنائیں



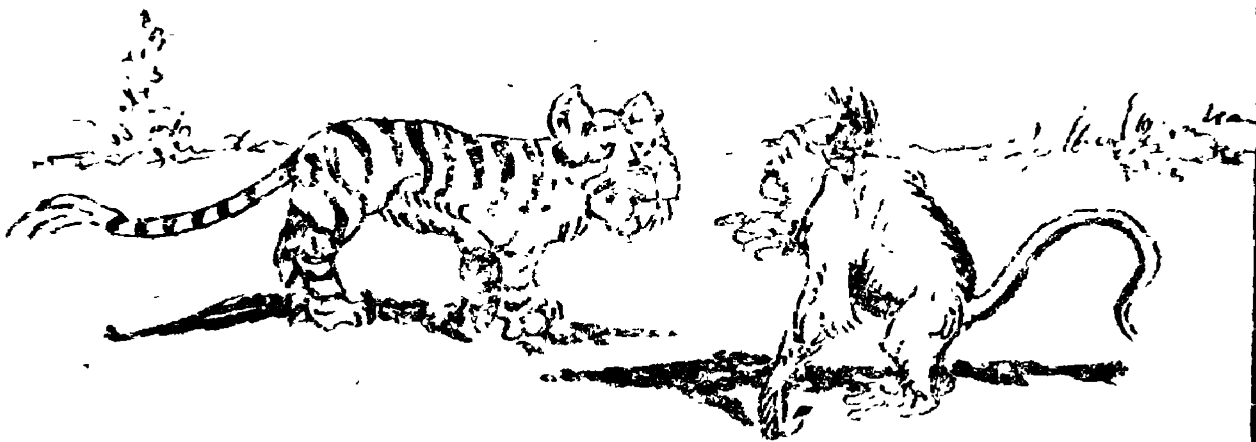
سونڈ تمہاری لمبی لمبی
اس کو بڑھاؤ میرے بھائی
ہاتھی نے ہنس کر سونڈ بڑھائی
بندر نے جھٹ ہاتھ میں پکڑی
اُس کی طرف پھر کان بڑھایا
کان میں ٹیلیفون لگایا
آئیں صدائیں کان میں پھس پھس
بندر بھی خوش ہاتھی بھی خوش

ایک تھا بندر ایک تھا شیر
ہوگئی دونوں کی مڈبھیڑ

کانپ اٹھا بے چارہ بندر
ڈر سے برا تھا حال سراسر

پیڑ اگر [illegible] جا کوئی ہوتا
بندر اس پہ جھٹ چڑھ ہی جاتا

بندر یہ گھبرا کر بولا
میرے مالک میرے آقا



آپ بڑے ہیں میں ہوں چھوٹا
آپ ہیں اونچے میں ہوں نیچا

شیر نہیں بندر کو کھاتے
دل میں نہیں یہ بات بھی لاتے

کہہ چکا جب سب اپنی بندر
شیر یہ گرجا اس کی سن کر

بھاگ یہاں سے چھوٹے بندر
حق میں ترے یہ بات ہے بہتر

بندر جب اس بات کو سمجھا
دم کو دبا کر یہ جا وہ جا



ایک بھائی کی یاد میں

محمد حسین حسّان

۱۹[illegible]ء کی بات ہے، اب سے کوئی ستّرہ سال پہلے کی۔ مجھے جامعہ میں آئے کچھ ہی دن ہوئے تھے ایک دن کالج اور ثانوی کے لڑکوں نے طے کیا کہ تفریح کے لئے اوکھلے چلنا چاہیے۔ جمعرات کا دن مقرر ہوا۔ خوب خوب تیاریاں ہوئیں۔ جمعرات کے دن شام کو ریل سے اوکھلے کے لئے روانہ ہوئے۔ اوکھلا قرول باغ سے کوئی ۱۰، ۱۱ میل ہے۔ خود اوکھلا جی، آئی، پی ریلوے کا چھوٹا سا اسٹیشن ہے۔ اب تو وہاں جامعہ کی عمارتوں کی وجہ سے جنگل میں منگل ہوگیا ہے۔ پہلے بس ایک تفریح گاہ تھی اور اس کے پاس ہی اوکھلا نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں۔

ہم تھوڑی ہی دیر میں اوکھلے پہنچ گئے۔ نئی دہلی کے اسٹیشن سے تیسرا اسٹیشن تو ہے ہی۔ رات کو وہیں اسٹیشن پر ڈیرا ڈالا۔ ہماری جماعت میں لڑکوں کے علاوہ جامعہ کے تقریباً سبھی اُستاد تھے۔ صبح کو پیدل ہی اوکھلے پہنچے۔ بس گویا ہماری تفریحی دلچسپیاں شروع ہوگئیں، کشتی، کبڈی، تیراکی اور جانے کیا کیا دوپہر کو لوگوں نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا، اور خوب مزے سے کھایا، ان دلچسپیوں میں کیا اُستاد کیا شاگرد سبھی شریک تھے ——— ان میں ایک صاحب کچھ نئے معلوم ہوئے۔ اونچے سے قد کے، خوب تندرست، بڑے ہنس مکھ، چھوٹوں میں چھوٹے، بڑوں میں بڑے، ہماری دلچسپیوں میں برابر کے شریک۔ نئے طالب علموں میں کوئی کسی کھیل میں شریک ہونے سے ہچکچاتا تو اُسے زبردستی شریک کرتے۔ میں نے حسین صاحب (حیدرآبادی بی۔اے جامعہ) سے پوچھا۔ "بھئی۔ کون صاحب ہیں بہت زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔" حسین صاحب کچھ مسکرا کر اور آنکھیں جھپکا کر بولے "ارے! انھیں آپ نہیں جانتے۔ اکبر صاحب یہی تو ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے لندن سے آئے ہیں۔" میں نے کہا "کچھ اور اتا پتا بتائیے، اتنی بوجھ کافی نہیں ہے۔" حسین صاحب سر ہلا کر بولے "ہاں ہاں ٹھیک ہے آپ کو جامعہ میں داخل ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن تو ہوئے ہیں

یعنی اکبر صاحب کا پورا نام چودھری اکبر علی ہے پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی چھوڑ کر جامعہ میں شریک ہوئے ہمارے استاد اور بورڈنگ کے اتالیق شفیق صاحب (شفیق الرحمن صاحب قدوائی جو آجکل ناظم ادارہ تعلیم و ترقی) سے دوستی جبھی سے شروع ہوئی۔ سنتے ہیں جب جامعہ علی گڑھ میں تھی تو اکبر صاحب، شفیق صاحب کریم اللہ صاحب (ڈاکٹر کریم اللہ پی ایچ ڈی ہائڈل برگ) اور چند اور حضرات کی وجہ سے جامعہ کے بورڈنگوں میں بڑی چہل پہل اور دلچسپی رہتی تھی

جامعہ سے بی اے کرکے اکبر صاحب انگلستان چلے گئے تھے۔ اس عرصے میں ان کے ایک بھائی زیادہ بیمار ہوگئے تھے۔ اس وجہ سے وہ کچھ دنوں کے لئے واپس چلے آئے ہیں۔ جامعہ سے انھیں بہت محبت ہے۔ وطن میں کچھ دن گذار کر سیدھے یہاں آئے ہیں پندرہ بیس دن میں انگلستان چلے جائیں گے۔"

کچھ تو جامعہ کی دلچسپیوں کی وجہ سے اور کچھ کریم اللہ صاحب کے اصرار سے مرحوم یہاں چند دن اور ٹھہر گئے۔ جس جہاز کا انھوں نے انگلستان جانے کے لئے ٹکٹ لیا تھا وہ نکل گیا۔ دوسرے جہاز کے لئے بمبئی پہنچے تو اس میں جگہ نہیں تھی۔ غرض انگلستان پہنچے تو داخلے کا وقت نکل چکا تھا۔ مجبوراً انھوں نے امریکہ کا رخ کیا۔

اس کے بعد بہت دنوں تک اکبر صاحب کی کوئی خیر خبر نہیں معلوم ہوئی۔ ہاں کبھی کبھی پیام تعلیم میں ان کے نام سے امریکی لڑکوں اور دوسرے مقامات کے حالات چھپ جاتے تھے۔ اکبر صاحب جن جن مقامات کی سیر کرتے تھے ان کا حال پیام تعلیم میں لکھ بھیجتے تھے۔ پھر کوئی ۱۹۳۳ء میں ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ اکبر صاحب امریکہ سے آگئے ہیں۔ وہاں کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں پڑھتے تھے وہیں کی ڈگری لائے ہیں۔

یورپ یا امریکہ سے واپس آکر اکثر لوگوں کے دماغ پھر جاتے ہیں اور اپنی قابلیت کا مغالطہ ہو جاتا ہے۔ اکبر صاحب علم، تجربہ اور قابلیت اپنے ساتھ لائے تھے مگر بفضلہ کسی اور مرض میں مبتلا نہیں تھے۔ مزاج میں وہی سادگی، وہی زندہ دلی، ساتھیوں سے خلوص اور چھوٹوں سے محبت اور اپنی جامعہ کی خدمت کرنے کا ولولہ اور جوش۔

کچھ دنوں بعد جامعہ نے انھیں قرول باغ کے ابتدائی مدرسے (تعلیمی مرکز) کا نگران بنا دیا۔ پھر جب اوکھلے میں عمارت تیار ہوگئی تو ابتدائی مدرسہ وہاں چلا گیا۔ نگرانی کا کام اکبر صاحب ہی کے ذمے رہا۔

اوکھلے میں ابھی ایک ہی عمارت بنی تھی وہ بھی نامکمل دروازوں اور کھڑکیوں میں کواڑ بھی نہ لگے تھے۔ گرمیوں میں لو کے جھکڑ اور سردیوں میں برفیلی

میں ڈوبی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں بے روک ٹوک کمروں میں آتی تھیں۔ اور انتظامات بھی ابتدائی حالت میں تھے۔ پھر جامعہ کے اور سب ادارے قرول باغ میں تھے۔ باوجود ان سب مشکلات کے اکبر صاحب نے سب کو کچھ اس خوش اسلوبی سے چلایا کہ کیا بچے اور کیا اُستاد اور کیا [illegible] اس تکلیف کی زندگی سے ذرا نہ اکتائے۔ بہت سے اُستاد تو اس زمانے کو بڑی حسرت سے یاد کرتے ہیں اکبر صاحب کا سلوک اپنے ساتھیوں اور چھوٹے بچوں سے ایسا مخلصانہ اور مشفقانہ تھا کہ ہر شخص اُن سے خوش تھا ایک ہیڈ ماسٹر یا نگراں کی اس سے زیادہ کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

اکبر صاحب کوئی پانچ برس تک مدرسہ ابتدائی کے نگراں رہے۔ اس عرصے میں مدرسے نے بہت اچھی شہرت حاصل کر لی۔ اور تمام ہندوستان کے لئے ایک نمونے کا مدرسہ بن گیا۔

رام پور کے محکمۂ تعلیم کو ایک سکریٹری کی ضرورت تھی۔ نظرِ انتخاب اکبر صاحب پر پڑی۔ ریاست نے انھیں چند دنوں کے لئے جامعہ سے مانگ لیا۔ اکبر صاحب نے وہاں بھی نہایت کامیابی سے اپنے فرائض انجام دیے اور تھوڑے ہی دنوں میں وہاں کی فضا بدل دی، یہاں بھی ان کا برتاؤ اپنے ماتحتوں سے مشفقانہ اور ساتھیوں سے مخلصانہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کیا طالب علم کیا اُستاد کیا ماتحت اور کیا افسر سبھی اُن سے خوش تھے خوش قسمتی سے افسر بھی انھیں ایسے ملے تھے جو صحیح معنے میں اُن کے قدرداں تھے اور ان کے کاموں کی خوبیوں کو سمجھتے تھے۔ خصوصاً جناب بشیر حسین صاحب زیدی وزیرِ اعظم رام پور۔ مگر یہاں مرحوم کو کام کرنے کا موقع زیادہ نہ ملا۔

ایک دفعہ کسی [illegible] کام سے دہلی آئے تھے اور شہر میں کسی کام سے جا رہے تھے۔ تانگے والے نے گھوڑے پر چابک چلایا۔ وہ چابک گھوڑے کے تو لگا نہیں اُن کے ماتھے اور آنکھوں کو چھیلتا چلا گیا اُسی وقت بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دنوں اس جگہ تکلیف رہی پھر اچھے ہو گئے۔ پھر دو تین مہینے بعد یکایک سر میں درد ہوا، آنکھوں کی بینائی بھی کم ہونے لگی اکبر صاحب نے فوراً ہی تگ و دو شروع کر دی۔ پہلے رام پور میں علاج ہوا۔ پھر دہلی آئے۔ یہاں سے مدراس گئے۔ ڈاکٹروں نے کہا "سر میں پھوڑا نکل آیا ہے" یہ بڑی پریشانی کی بات تھی۔ مگر اکبر صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور بہت صبر و سکون کے ساتھ علاج کراتے رہے، یونانی، ایلوپیتھی (ڈاکٹری) ہومیوپیتھی غرض ہر طرح کا علاج کرا لیا گیا مگر تندرستی قسمت میں نہ تھی۔ حالت زیادہ خراب ہوئی تو اُن کے عزیز انھیں اپنے وطن لائل پور لے گئے، اور وہیں ہمارے عزیز بھائی نے دوسری دنیا جا بسائی

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بیماری کی حالت میں اکثر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ دردِ سر کا دورہ پڑتا تھا تو خاموش ہو جاتے تھے۔ زیادہ تکلیف ہوتی تھی تو بے ہوش ہو جاتے تھے۔ دورے کی مصیبت سے نجات ملتی تھی تو وہی زندہ دلی اور خوش مزاجی پھر لوٹ آتی تھی، جیسے اُنھیں کوئی تکلیف ہی نہیں ہے۔ اس زمانے میں اُنھوں نے اپنی حالت پر ایک نظم بھی کہی تھی اُسے اُنھی کی زبانی سُن کر دل پر بڑا اثر ہوا تھا

ایک دن میں مکتبے میں بیٹھا کام کر رہا تھا لطیف عظمی صاحب نے بتایا کہ اصغر صاحب (مرحوم کے چھوٹے بھائی) کا خط آیا ہے کہ اکبر صاحب کا انتقال ہو گیا اس خبر کو سُن کر دل پر جو بیتی قلم سے اس کا اظہار ناممکن ہے۔ اس ایک سال کے اندر جامعہ کو دو سخت صدمے اُٹھانے پڑے۔ اکبر صاحب کی موت کا اور آپا جان کی موت کا۔ خدا دونوں کو جنت میں جگہ دے۔ آمین!

کوّا

سید ابوطاہر [illegible]

بی ۔ اس سی ۔ بی ٹی ۔ پونا۔

کالے کوّے! دیکھتا ہوں میں تجھے
اس پرانے نیم پر بیٹھے ہوئے

جھولتا ہے جھولا اونچی ڈال پر
تولتا ہے پر ہوا کی تال پر

کائیں کائیں کی عجب آواز ہے
شور میں تیرے بلا کا ساز ہے

سچ بتا! کتنا سفر تو نے کیا
آج کتنے میل کا چکر ہوا؟

کس جگہ اُترا کہاں پر دم لیا
دانا کب کھایا کہاں پانی پیا؟

آسماں کو ناپ کر آیا ہے تو
کتنے ملکوں کی خبر لایا ہے تو

ایک میرا بھی وطن ہے یاں سے دور
حال کچھ بتلا وہاں کا بھی ضرور

کوئی آتا ہو تو فوراً اُڑ کے جا
پیارے کوّے لے کے اپنے ساتھ آ

بچّوں کی نظمیں

محمد شفیع الدین صاحب نیّر کی اصلاح کے بعد

پھولوں کی دُنیا

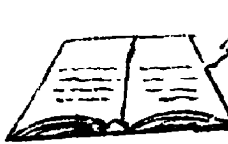
رضیہ نزہت، جالنہ

بہت دُور اس پار پھولوں کی دُنیا
نہ جس کی فضا ہے سُہانی سُہانی
نہ ہے واں ضعیفی نہ ہے ناتوانی
جہاں پر ہمیشہ رہی رہتی جوانی
جہاں تے نکل کر ہیں قوسِ قزح سی
یہ زردی شفق کی ہے جس کی نشانی
جہاں سے کہ موت آئے مدہوش ہو کر
ہے مخمور ایسی جہاں زندگانی
جہاں پر الم خود ہو آنسو بہاتا
اُڑاتی ہو جس کی ہنسی شادمانی
نہ جدوجہد ہو نہ ہو کشمکش کچھ
قدم چومتی ہو جہاں کامرانی

خدایا میں بس جاؤں اُڑ کر وہاں پر
ہے بیٹھی جہاں پہ یہ پھولوں کی رانی

بچوں کا اخبار

ذکیہ انصاری، درجہ ششم جامعہ نگر اوکھلا



خوب اخبار ہے یہ بچّوں کا
خوب ہم کو نصیحتیں کرتا
جب کبھی میرے پاس آتا ہے
اک خوشی کا پیام لاتا ہے
کتنے اچھے ہیں اس کے افسانے
دل کو بھاتے ہیں دلربا گانے

اور لطیفوں کو پڑھتے [illegible] ہم ہنستے ہنستے ہیں دیوانے

[illegible] میں [illegible]

[illegible] آتا ہے

یہ اک بلبل کا قصہ ہے

میر باسط علی زاہد، امرت سری

یہ اک بلبل کا قصہ ہے ۔۔۔ جو اک ٹہنی پہ بیٹھا تھا
اندھیری رات آپہنچی ۔۔۔ تو اس کو ڈر ہوا پیدا
وہ رو رو کر لگا کہنے ۔۔۔ کہ ہائے اب کروں میں کیا
میں کیسے جاؤں گھر اپنے ۔۔۔ نظر آتا نہیں رستا
مرے بچے بھی ہیں بھوکے ۔۔۔ انھیں کس طرح دوں دانا
سنی یہ بات جگنو نے ۔۔۔ تو ہمدردی سے یوں بولا
مدد کو دل سے حاضر ہوں ۔۔۔ اگرچہ ہوں میں ننھا سا
اندھیری رات کا کیا غم ۔۔۔ میں روشن راہ کر دوں گا
مجھے رب نے ہی مشعل دی ۔۔۔ میں اس سے کام یہ لوں گا
غرض اس طرح وہ بلبل ۔۔۔ مدد سے اُس کی گھر آیا

وہی اچھا ہے اے زاہد
کرے جو کام غیروں کا

کیمپ فائر

محمد اکرام صاحب
مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر

کیمپ فائر اسکاؤٹوں کی ایک اصطلاح ہے اسکاؤٹ جب کہیں کیمپ کو جاتے ہیں تو دن بھر تو مشغول رہتے ہیں۔ رات میں کھانے دانے سے نچنت ہو کر خیموں کے آگے آگ جلاتے ہیں اور اس کے چاروں طرف بیٹھ کر گپ شپ اڑاتے ہیں اور کھیل تماشے کرتے ہیں۔ اس طرح گویا دن بھر کی تھکن اتارتے ہیں۔ بس یہی کیمپ فائر ہے اسکاؤٹ اور شیر بچے (CUBS) تو خوب جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ مزے انھی کے حصے میں آتے ہیں۔ آؤ ہم تمھیں ایک کیمپ فائر میں لے چلیں۔ یہ جامعہ کے بچوں نے اپنے دس دن کے کیمپ یا کھلی ہوا کے مدرسے میں کیا تھا یوں تو اس کیمپ میں روزانہ کیمپ فائر ہوا اور ہر کیمپ میں ہوا ہی کرتا ہے۔ لیکن ہم تمھیں صرف ایک ہی رات کا حال سنا سکیں گے۔

ہاں تو سنو ہمارے اسکاؤٹ اور شیر بچوں نے ادھر ادھر پھر پھرا کر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں اور کچھ پتے جمع کئے۔ اتنے کہ رات کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روشنی میں بیٹھ سکیں۔ شام کا کھانا کھانے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد کیمپ فائر کی تیاری شروع ہوئی۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے سب اسکاؤٹ کیمپ فائر کی جگہ (جو پہلے سے مقرر ہوتی ہے) خیمہ وار آکر جمع ہوئے۔ کیمپ فائر کے لئے صدر کا انتخاب ہوا۔ کثرت رائے سے لڑکوں ہی میں سے محمود علی خاں ایڈیٹر کیمپ روزانہ صدر منتخب ہوئے۔

صدر صاحب ایک اونچے ٹیلے پر رونق افروز ہوئے۔ یوں سمجھئے کہ یہی ٹیلا ان کی صدارت کی کرسی تھا، ساتھیوں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد آپ نے کیمپ فائر کا پروگرام سنایا۔ پروگرام کے مطابق پہلے ترانہ پڑھا گیا۔ سب نے مل کر بڑے جوش کے ساتھ ترانہ پڑھا اس ترانے کا پہلا شعر تم بھی پڑھو

ہندوستاں کو یارب ہندوستاں بنا دے
اجڑے ہوئے چمن کو پھولوں سے پھر سجا دے

ترانے کے بعد کھیل تماشے شروع ہوئے۔ جناب صدر نے انصاری خیمے کے لڑکوں کو بلایا اور

بتایا کہ اس کھیل میں یہ دکھایا جائے گا کہ جب بھالو جیسے جانور کو پڑھایا جاسکتا ہے تو انسان کے بچے تو پھر انسان ہیں۔ بھالو کے ناچ کے بعد اسی خیمے کے چند بچے بھالو کا گانا سنائیں گے۔ لیجیے مداری پھٹے پُرانے کپڑے پہنے۔ کندھے پر جھولا ڈالے ہاتھ میں ڈنڈا اور بھالو کی رسی تھامے ڈگ ڈگ کرتا آیا۔ جھولا ایک طرف رکھا اور آگ کے چاروں طرف گھومتے ہوئے بھالو کا ناچ دکھانے لگا۔ بھالو مداری کے اشاروں پر خوب اچھلا کودا اور ناچا۔ بھالو میاں مشتاق احمد کو آم کے بہت سارے پتے باندھ کر اسی وقت بنا لیا تھا۔ انھوں نے اپنے ناچ اور مداری نے اپنے گیت سے خوب ہنسایا۔ ہمارا ہر اسکاؤٹ اور شیر بچہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اس گیت کے چند بول تم بھی پڑھو۔

بٹیا اپنا ناچ دکھا دے ناچ دکھا دے ناچ دکھا دے
بٹیا اپنا ناچ دکھا دے
ناچ چھما چھم چھمک چھیا کود دھما دھم دھمک دھیا
بٹیا اپنا ناچ دکھا دے
ناچ دکھا دے ناچ دکھا دے
بٹیا اپنا ناچ دکھا دے

تھوڑی دیر میں ناچ ختم ہو گیا۔ ایک اسکاؤٹ نے اسکاؤٹ نامی (۱، ۲، ۳) بجوائیں۔ جناب صدر نے "بہت اچھے کا نعرہ" لگوایا۔

اس کے بعد بھالو کے بچے آئے۔ یہ بھی اسی خیمے سے تھے۔ میاں محمد صالح۔ حفیظ الدین۔ نسیم اختر اور آفتاب احمد جیسے چھوٹے چھوٹے بچے پتے باندھ کر بھالو کے بچے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی لگے آگ کے چاروں طرف گھومنے اور ناچنے انھوں نے ایک نظم پڑھی اور اچھل کود کر اتنا ہنسایا کہ بیان نہیں ہو سکتا لیکے انھوں اس نظم کو بھی سن لیجیے۔

کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے
وادی وادی گھومنے جاتے جنگل جنگل کے پھل کھاتے
کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے
گھاس کے اپنے بستر ہوتے دیر سے اُٹھتے جلدی سوتے
کاش کہ ہم سب بھالو ہوتے

یہ نظم عجیب انداز میں سنائی گئی اس کے بعد تالیاں بجیں اور بہت اچھے کے نعرے لگے۔

اب شاہ جہاں خیمے کے شیر بچے آئے۔ اُن میں سید سراج الدین احمد۔ شمیم صدیقی اور خورشید اقبال وغیرہ تھے۔ اُنھوں نے ریڈ انڈینز کا ناچ دکھایا۔ اور ایک گانا گایا جس کا ایک مصرعہ تم بھی سنو:۔

"دلدل میں بونا پارٹ کی جب فوج تھی رواں"

یہ ناچ عام طور پر بہت پسند کیا گیا۔ چنانچہ صدیقی صاحب نے ایک ریڈ انڈین نعرہ لگوایا۔

یہ بچے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ سکندری خیمے سے محمد سلطان سندھی صاحب بہادر بنے قلی قلی کہتے بیچ میں آئے۔ دوسری طرف سے شرف الدین قلی بن کر نکلے۔ شرف الدین نے سردی سے کانپ کانپ کر صاحب بہادر کے سب کپڑے اتروالیے اور خود صاحب بہادر بن کر اصل صاحب سے ان کا سامان اٹھوایا۔ اس کھیل میں انھوں نے یہ دکھایا کہ دنیا میں کیسے کیسے مکار اور چالاک موجود ہیں ان کے بعد عبدالقدیر نے :۔

"بی بی مینڈک کی رہی توتو پانی میں کی رانی"

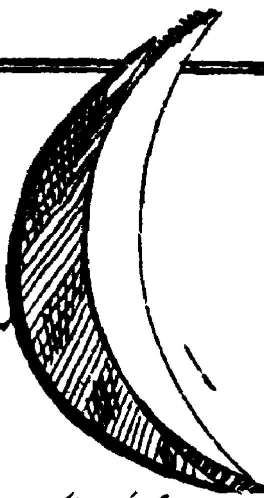
گیت گایا۔ یہ گیت تم نے سنا ہوگا۔ مگر کیمپ فائر میں انھوں نے اس گیت کے ذریعے ہنساتے ہنساتے پیٹ میں بل ڈال دیے۔

اب خالد خیمے کے لڑکے بلائے گئے۔ وہاں سے عبدالوحید۔ صدیق سلیم۔ رضوان احمد اور محمود علی میدان میں آئے۔ صدیق سلیم حکیم صاحب (رضوان احمد) کے ملازم اور عبدالوحید اور محمود علی خاں مریض بن گئے۔ انھوں نے حکیموں کے نسخے اور مریضوں کی پریشانی کا اظہار کیا۔ حکیم صاحب کا پارٹ خوب تھا۔ کہتے تھے میاں محمود مرغ کی ہڈیوں کو باریک پسوا کر روٹی پکوانا اور ایک بکرے کی آنتوں کے شوربے سے جلدی جلدی کھانا۔ اگر پھر بھی بھوک نہ لگے ایک سیر نمک چاٹ لینا۔ ان چاروں میں سے ہر ایک کا کام اور باتیں ہنسنے ہنسانے والی تھیں ان کے لئے تالیاں بج ہی رہی تھیں کہ آزاد خیمے کے لڑکوں کو بلایا گیا۔

آزاد خیمے سے قاضی منظور احمد اور ان کے ایک ساتھی آئے۔ دیہاتی اور دھنیے کا مکالمہ شروع ہوا۔ دھنیے نے دیہاتی کے لئے روئی دھننا شروع کی۔ یہ دھنیے صاحب منظور احمد تھے۔ تانت نہ ہتھا یوں ہی دھنیے بنے پھرتے تھے۔ مگر جب دھنیے کا کام شروع کیا تو بس بغل کی آواز اور ٹانگوں کی حرکتوں نے اصل دھنیے کے کام کا نقشہ کھینچ دیا۔ سب ہنس رہے تھے مگر ان کو برائے نام بھی ہنسی نہ آتی تھی۔

سب سے آخر میں غازی خیمے سے اقبال مجیبی اور ان کے چند ساتھی آئے۔ غیر معمولی طور پر جادوگری کے فن دکھائے گئے۔ کبھی بنگال کے فاقہ زدوں کو بلاتے اور کبھی تلیت اور موضع پال کے کسانوں کو۔ غرض ان کے کھیل آخری اور بہت اچھے رہے حسب معمول تالیاں بجیں اور صدر صاحب نے ۱۱ بجے شکریے کے ساتھ اس دعا پر کیمپ فائر ختم کیا :۔

"یا اللہ! جس طرح ہمارے کیمپ فائر کی آگ نے روشنی پھیلائی اسی طرح ہم دنیا میں روشنی پھیلائیں اور جس طرح یہ آگ اندھیرے کو دور کرتی ہے اسی طرح ہمارے دلوں سے اندھیرا دور ہو جائے"۔



ہماری عید

عظیم قادری

عید کا دن خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے لیکن کبھی ہمارے ہاں تو معاملہ کچھ الٹا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس دن خصوصیت کے ساتھ ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جن سے عید کا سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک عید کو ہم نماز پڑھ کر عیدگاہ سے لوٹے اور آتے ہی کھیل کود میں لگ گئے، جی بھر کے کھیلے خوب شرارتیں کیں۔ شامت جو آئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بھیا کے کمرے کے سامنے ایک سائیکل رکھی ہوئی ہے بس پھر کیا تھا اس کی طرف جھپٹے اور اس پر سوار ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ سائیکل کی سواری جانتے نہ تھے آؤ دیکھا نہ تاؤ لگے اس پر چڑھنے۔ سائیکل کو ہماری یہ بے ادبی اچھی نہ لگی۔ اس نے غصے میں کانپنا شروع کیا۔ بجائے اس کے کہ ہم اس پر سوار ہوتے وہ خود ہم پر سوار ہو گئی۔ دھڑام سے آواز آئی۔ ہم نیچے تھے اور سائیکل ہمارے اوپر۔ خوب چوٹیں آئیں۔ ہینڈل ہمارے سر میں اس بری طرح سے لگا کہ خون بہنے لگا۔ بھولی نے آن کر ہم پر سے سائیکل اٹھائی اتنے میں بھیا بھی آواز سن کر آ گئے بجائے اس کے کہ ہمارے ساتھ ہمدردی کرتے لگے ہم ہی کو ڈانٹنے۔ ہمارے بھائی بہن ہنسی خوشی کھیل کود رہے تھے۔ اور ایک ہم تھے کہ کونے میں بیٹھے اپنی قسمت پر رو رہے تھے، کیا سائیکل کو ہم پر آج ہی گرنا تھا؟ کم بخت نے عید ہی کے دن ہمیں زخمی کر دیا۔

ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے گا۔ عید کا چاند دیکھ کر ہم مارے خوشی کے اچھلنے کودنے لگے عید کا شاندار استقبال کرنے کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ کبھی کپڑوں کو نکال کر دیکھتے اور کہتے۔ "کل ہم ان کو پہن کر بڑے ٹھاٹھ سے عیدگاہ جائیں گے"۔ کبھی "عیدیوں" کا خیال کر کے پھولے نہ سماتے تھے اور ان کو خرچ کرنے کے لئے باقاعدہ ایک "بجٹ" تیار کر لیتے۔ کبھی عید کے پروگرام کے متعلق غور کرتے غرض اسی شش و پنج میں رات کٹی۔ صبح اٹھ کر سیدھے حمام کا رخ کیا۔ اور نہا دھو کر تیار ہو گئے والد صاحب کے ساتھ عیدگاہ گئے۔ نماز پڑھی اور گھر لوٹے پہلا

سب سے پہلے یہ کام کیا کہ "انکم ٹیکس ماسٹر" یا "خان صاحب" کی طرح عیدیاں وصول کرنے لگے۔ گویا یہ تمام لوگ ہمارے پرانے قرض دار ہیں۔ جب عیدیاں جمع کر چکے تو اطمینان کا سانس لے کر اُن کو خرچ کرنے کی دھن میں لگ گئے۔ لیکن اب امّی کی نیت بدلی۔ اور انھوں نے عیدیاں ہم سے چھیننے کی کوشش شروع کی۔ ہم بھلا ان کی باتوں میں کیونکر آتے، عیدیاں نہ دینا تھیں نہ دیں۔ ہم سیدھے بازار پہنچے چونکہ پتنگوں کے دن تھے اس لئے بہتر یہ خیال کیا کہ ایک خوب صورت چرخی خریدیں۔ کچھ تاگا بھی خریدا اور کچھ پتنگیں بھی۔ یہ سب سامان لے کر خوشی خوشی گھر لوٹے۔ بس ہمارے ہاں پتنگ بازی کا بازار گرم تھا۔ لیکن بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ ہماری پتنگیں اوروں کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کٹ رہی تھیں۔ سبھوں نے اس بے دردی سے ہماری پتنگوں کو کاٹا، جیسے مہارت کی حاصل کی ہوئی تھی۔ سب پتنگیں کٹ چکی تھیں۔ بےچاری ایک باقی تھی، ہم نے اُسے بھی اُڑانا شروع کیا۔ اُتنے مصروف تھے کہ ہمیں اس بات کا مطلق خیال نہیں رہا کہ ہمارے پیچھے ایک نالی ہے۔ پتنگ اُڑاتے اُڑاتے جو ہم پیچھے کی طرف بڑھے تو موری میں تھے، کپڑے خراب ہو گئے، چرخی ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گئی۔ پتنگ نے بھی بے وفائی کی اور ہمیں اس قابلِ رحم حالت میں چھوڑ کر نہ معلوم کدھر کو سدھاری۔ سلمیٰ نے ہم کو جو گرتے دیکھا تو قہقہے لگاتے ہوئے گھر میں دوڑی اور ہمارے گرنے کا ڈھنڈورا بڑے زور سے پیٹ دیا۔ ابھی ہم سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ نوکر ہم کو پکڑ کر گھر میں لے گئے جیسے ہم نے کسی کو قتل کر ڈالا ہے اور اب قاتل کی حیثیت سے عدالت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔



ہمارا کیمپ

محمد صالح۔ ابتدائی پنجم
تعلیمی مرکز نمبر ۱ جامعہ

سب سے پہلے تو یہ سنیے کہ ہمیں کیمپ کا خیال کیونکر آیا؟ ہمارے نگراں جناب شفیق الرحمن صاحب اور استاد جناب محمد اکرام خاں صاحب میں مشورہ ہوا کہ اس سال اسکول میں پانچویں اور چھٹی جماعت کے طالب علموں کو اسکاؤٹ بنایا جائے۔ اکرام صاحب نے یہ خیال ہم پر ظاہر کیا۔ ہم نے فوراً ان کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ چنانچہ اکرام صاحب نے ہم سے کہا کہ ہر لڑکا وردی کے لئے آٹھ روپے لائے۔

دوسرے ہی دن سے روپے آنے لگے۔ جب روپے جمع ہوگئے تو اکرام صاحب بازار سے کپڑا خرید لائے اور تھوڑے ہی دن بعد وردیاں بن گئیں۔ پھر ہم نے دس دن کے کیمپ کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی تیاری میں ہم نے یہ چیزیں جمع کیں:۔ آٹا، دال، چاول، دلیہ، شکر، گھی، چائے، لکڑی، نمک، مرچ اور ڈیڑھ سو روپیہ نقد۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو ہم صبح کے ۱۱½ بجے اسکول کو خیرباد کہتے ہوئے چلے۔ لاری جگہ جگہ رکتی ہوئی جامعہ نگر پہنچی۔ وہاں ہم نے کھانا کھایا۔ پھر تھوڑی دیر بعد لاری ہمیں لے کر سیدھی بلہ گاؤں پہنچی۔ ہم نے بلہ گاؤں کے ایک باغ میں ڈیرا ڈالا۔ اور سامان لائے۔ رات زیادہ ہوگئی تھی۔ خیمہ نہ لگنے کی وجہ سے ہم درختوں کے نیچے سوئے۔ صبح اٹھے منہ ہاتھ دھویا، نماز پڑھی، ناشتہ کیا، خیمے لگائے۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر کھیلنے لگے اور شام تک کھیلتے رہے۔ رات کا کھانا کھایا اور سو گئے۔

دوسرے دن صبح اٹھے۔ ہاتھ منہ دھویا، نماز پڑھی، ناشتہ کیا۔ اس کے بعد ۱۰ بجے سے ۲ بجے تک پڑھائی ہوتی رہی۔ پھر دوپہر کا کھانا کھایا۔ آج جامعہ نگر اوکھلا کے لڑکے بھی آگئے تھے۔ صدیقی صاحب نے ہمیں لٹا دیا اور کہا۔ سو جاؤ۔ سو کے اٹھے تو صدیقی صاحب نے کچھ باتیں بتائیں پھر ہم نے نماز عصر ادا کی۔ پھر کھیلنے لگے۔ رات کا کھانا کھایا۔ پھر کیمپ فائر ہوا اور ۱۱ بجے ہم سو گئے۔

دوسرے دن ۶ بجے اٹھے۔ ناشتہ کیا کچھ پڑھا، پھر کھانا کھایا۔ پھر کھیلے۔ پھر رات کا کھانا کھایا۔ پھر کیمپ فائر ہوا۔

اور سو گئے۔ غرض پھر روز یہی ہوتا رہا

۲۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو ہم لائن بنا کر ہم فرید آباد کی سیر کو چلے۔ وہاں کی مسجد میں گئے۔ جمعہ کی نماز ادا کی پھر سنگھاڑے کھائے۔ پھر صدیقی صاحب نے ہمیں آزاد چھوڑ دیا اور کہا کہ "تم اس بازار کی سیر کرو، اور ہم سے پُل پر آکر ملو"۔ ہم نے کہا اچھا۔

ہم بازار کی سیر کرنے لگے۔ اور سیر کرنے کے بعد پل پر پہنچ گئے۔ اتنے میں اکرام صاحب اور صدیقی صاحب بھی آگئے۔ بہتے نہر کے پانی سے وضو کیا اور وہیں ایک طرف زمین پر عصر کی نماز ادا کی۔ اس نہر میں صدیقی صاحب نے غسل کیا۔ پھر آگے چلے۔ راستے میں سب استادوں نے سنگھاڑے کھائے۔ اور لڑکوں سے کہہ دیا کہ تم آگے چلو، ہم سب آتے ہیں۔ چل دئے ہم چار لڑکے ایک ساتھ تھے اور باقی ہم سے پیچھے۔ راستے میں ہمیں ایک آدمی ملا۔ وہ ہم سے سب آتا پتا پوچھ کر چلتا بنا۔ ہم نے خطرے کی سیٹیاں بجائیں مگر کوئی نہیں آیا۔ اس کے جانے کے بعد سب لوگ آئے۔ ہم نے آنے والوں سے سنا کہ انھوں نے ایک سانپ کو مارا ہے۔ پھر ہم آگے چلے جب اپنی جائے قیام کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ گاؤں والوں اور ضمیر صاحب کے ساتھ جو لڑکے تھے ان میں لٹھ بازی ہوتے ہوتے رہ گئی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ ہمارے ہاں کے لڑکوں نے کچھ مرچیں توڑ لی تھیں اس کی وجہ سے گاؤں والے بگڑ گئے تھے۔ پھر ہم اپنے خیموں میں آئے۔ کھانا کھایا اور سو گئے۔ چونکہ رات زیادہ گذر چکی تھی۔ اس لئے کیمپ فائر نہ ہو سکا۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو ہم صبح اٹھے، منہ ہاتھ دھویا۔ ناشتہ کیا۔ کچھ پڑھا لکھا۔ کچھ کھیلے، پھر دوپہر کا کھانا کھایا۔ شام کو نمائش ہوئی۔ اس میں ہم نے اپنے اپنے مضمون اور جمع کئے ہوئے پر رکھے۔ پھر صدیقی صاحب نے نعرے لگوائے اور اسکاوٹ عہد لیا۔ اس دن سے ہم اسکاوٹ برادری میں شیر بچے کی حیثیت سے داخل ہو گئے۔ اس کے بعد کپڑے بدلے۔ رات کا کھانا کھایا۔ کیمپ فائر ہوا اور سو گئے

دوسرے دن سو کے اُٹھے، نماز پڑھی، ناشتہ کیا۔ پھر کھانا کھایا۔ سامان تیار کیا۔ لاری تک اُٹھا کے لے گئے۔ اتنے میں لاری بھی آگئی۔ سامان رکھا، بیٹھے اور دہلی آگئے۔

یہ ہیں کیمپ کی زندگی کے مختصر سے حالات



پیامِ برادری

عزیز بچو اور بچیو خوش رہو اور تندرست۔ اف فوہ پورے گیارہ مہینے کے بعد آج تم سے ملاقات ہو رہی ہے بھائی کیا بتائیں صورتیں ہی کچھ ایسی پیدا ہو گئی تھیں۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ حالات کچھ کچھ قابو میں آ گئے ہیں۔ اور اب انشاء اللہ ہر مہینے تم سے ملاقات رہا کرے گی۔

دیکھو ان گیارہ مہینوں میں دنیا کتنی بدل گئی۔ جب سے یورپ کے مغرب میں لڑائی کا دوسرا محاذ قائم ہو گیا ہے لڑائی کا جیسے پانسا پلٹ گیا۔ روس نے اپنا پورا علاقہ واپس لے لیا۔ فن لینڈ اور رومانیہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ ہنگری نے جو جرمنی کا خاص دوست تھا روسیوں کے پاس صلح کی درخواست بھیج دی یوگوسلاویہ اور بلغاریہ میں روسی فوجیں برابر بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ پولینڈ کے دارالسلطنت وارسا پر گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے دوسری طرف روسی فوجیں خود جرمنی کے علاقے میں پروشیا کی سرحد میں داخل ہو چکی ہیں۔

مغربی یورپ کی لڑائی مشہور امریکن جنرل آئزن ہاور کی نگرانی میں ہو رہی ہے۔ اس لڑائی میں فرانس کا بہت سا حصہ جرمنی کے پنجے سے آزاد کرا لیا گیا ہے۔ پیرس بھی آزاد ہو گیا ہے۔ اس علاقے پر جنرل ڈیگال نے قبضہ کر لیا ہے اور ایک عارضی جمہوری حکومت قائم کر دی ہے۔ اتحادی فوجیں بڑھتے بڑھتے جرمنی کی سرحد تک پہنچ گئی ہیں یہاں البتہ جرمنی بہت قدم جما کر لڑ رہے ہیں۔ اتحادیوں کو بھی یہاں کمک سامان وغیرہ پہنچانے میں دقتیں پیش آ رہی ہیں اور جوں جوں سردی بڑھتی جائے گی یہ دقتیں اور بڑھتی جائیں گی۔ اتحادی فوجوں نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیے ہیں۔ یونان کو گویا انھوں نے آزاد کرا ہی لیا۔ اس کے دارالسلطنت ایتھنز پر ان کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہالینڈ پر بھی فوجیں اتاری تھیں مگر وہاں کامیابی نہیں ہوئی۔ جرمنی نے سخت مقابلہ کیا اور اتحادیوں کی بچی کھچی فوجوں کو واپس آنا پڑا۔

یہ تو خیر کچھ یقینی سی بات ہو گئی ہے کہ جرمنی اب کچھ دن کا مہمان ہے مگر یہ بھی نہیں ہے کہ اکتوبر میں یا زیادہ سے زیادہ اس سال کے آخر اتحادیوں کو کامل فتح ہو جائے گی۔ جرمنی کا جیت لینا کوئی ایسا منہ کا نوالا تو نہیں۔ انگریزوں کے وزیر اعظم مسٹر چرچل نے خود لوگوں کو تنبیہ کی ہے کہ اتنی جلد فتح کی امید نہ باندھیں۔ ابھی بہت سے خونی معرکے سر کرنے پڑیں گے تب کہیں جا کر منزل کا نشان ملے گا۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے برطانیہ کے وزیر اعظم امریکہ کے صدر روزولٹ سے مشورہ کرنے کیوبک (کناڈا) گئے تھے۔ آج کل روس میں لڑائی کی بہت اہم چیزوں پر بات چیت کر رہے ہیں۔ برطانیہ کے وزیر خارجہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

بحرالکاہل کی لڑائی میں کچھ زیادہ سرگرمی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جاپانی ہندوستانی سرحد یعنی آسام کے سرحدی علاقوں میں داخل ہوگئے تھے مگر امریکن اور ہندوستانی فوجوں نے انھیں پیچھے ڈھکیل دیا بلکہ برما کی بعض اہم جگہیں بھی ان سے چھین لیں۔ اِدھر امریکن فوجیں مختلف جزیروں پر جاپان کو برابر پریشان کر رہی ہیں۔ امریکن بمبار جہاز اس سے پہلے بھی خاص جاپان کے شہروں پر بمباری کر چکے ہیں اب انگے انھوں نے فارموسا کے بعض اہم مقامات کو نشانہ بنایا ہے۔ جاپان میں اس سے کچھ پریشانی پیدا ہوگئی ہے۔ عام طور پر خیال ہے کہ جرمنی ہار گیا تو اتحادیوں کی پوری قوت جاپان کی طرف جھک پڑے گی اور اُسے ہرا دینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاپان کی قوت کا غلط اندازہ لگایا گیا ہے۔ اس کی اصلی طاقت ابھی محفوظ ہے اور شکست دے دینا کوئی ایسا آسان کام نہ ہوگا

اسلامی ملکوں کے حالات بھی کچھ زیادہ بہتر نہیں ہیں۔ ایران انگریزوں اور روسیوں کے اثر میں ہے۔ اس ملک میں تیل کے جو چشمے ہیں ان پر اب روسیوں کی بھی نظر ہے۔ مصر میں نحاس پاشا کی وزارت نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ فلسطین میں یہودیوں نے پھر گڑبڑ شروع کر دی ہے۔ اب وہ انگریزوں کے خلاف بلوے کر رہے ہیں۔ حجاز میں سخت قحط ہے۔ اس سال حاجیوں کو حج کی اجازت مل گئی ہے ممکن ہے کہ اس سے کچھ پریشانی دور ہو جائے۔ ترکی اب اتحادیوں کا طرفدار ہوگیا ہے مگر اس وقت تک لڑے گا نہیں جب تک کہ خود جرمنی اس پر حملہ نہ کرے۔ خلیفہ عبدالمجید محترمہ پرنسس آف برار کے والد کا اس مہینے انتقال ہوگیا حیدرآباد میں پندرہ تاریخ کو ان کا ماتمی دن منایا گیا۔

ہندوستان میں مہنگائی دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ سونے کا بھاؤ پچھلے دنوں ۶۵ روپے فی تولہ تک ہوگیا تھا۔ جن جن شہروں میں راشن یا راتب بندی کا انتظام ہوگیا ہے۔ وہاں کے لوگوں کی پریشانیاں بھی بہت کچھ دور ہوگئی ہیں۔ بنگال کے حالات ابھی تک نہیں سدھرے ہیں۔ بہار کے شمالی حصے میں ملیریا اور ہیضے سے ہزاروں، لاکھوں جانیں تلف ہو چکی ہیں اور ابھی تک سلسلہ جاری ہے۔

جب سے مہاتما گاندھی جیل سے چھوٹ کر آئے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ پھر سامنے آگیا ہے۔ انھوں نے وائسرائے سے خط کتابت کی۔ ان سے ملنے کی بھی درخواست کی مگر انھیں کسی بات میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پچھلے دنوں ہندو مسلمانوں میں سمجھوتے کے لئے بہت کوششیں کی گئیں۔ خود گاندھی جی اور مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح قائداعظم سے بہت دنوں تک ملاقاتیں ہوتی رہیں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

ان گیارہ مہینوں میں چند بڑے بڑے بزرگ ہم سے جدا ہوگئے۔ مشہور سائنس داں سر سی وی رامن ۔ حضرت مولینا اشرف علی صاحب تھانوی حضرت مولینا محمد الیاس صاحب مبلغ اسلام۔ حضرت مولینا عبیداللہ سندھی ، ماتا کستوربا (گاندھی جی کی بیوی) یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتے تھے اور ان کی جدائی سے ملک اور قوم کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان میں سے چند کے حالات پیامِ تعلیم میں شائع کریں ۔

محمد حسین حسان

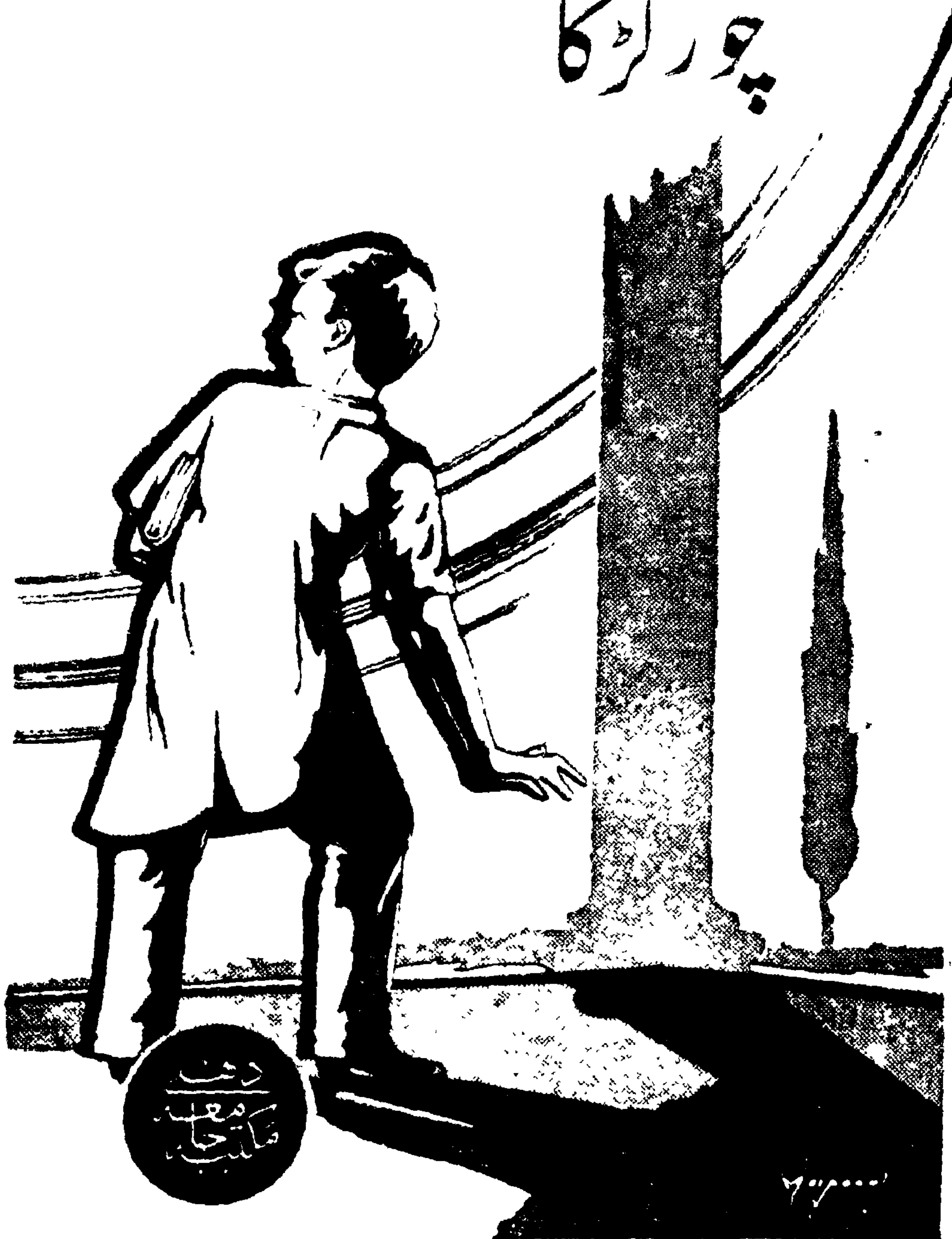
گاندھی جی





۲-اکتوبر کو گاندھی جی کی ۷۵ویں سالگرہ کے موقع پر کستوربا کی یادگار قائم کرنے کے لئے
ایک کروڑ سے زیادہ کی رقم پیش کی گئی۔

چور لڑکا



بچوں کے لیے ایک مختصر ڈرامہ

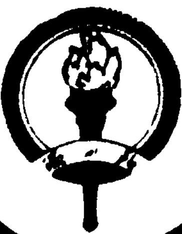
قیمت چار آنے

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۹۶۱

پیام تعلیم

۷۵/۲





مکتبہ جامعہ دہلی

۴۲۲

بچوّں کا کتب خانہ

بچوں کے ادیب مجیبؔ صاحب کی کتابیں

الف لیلہ کے فسانے

الف لیلہ کی کہانیوں کا خلاصہ بچوں کے لئے۔ کتابت صاف اور جگہ جگہ مناسب تصاویر، کاغذ سفید اور دورنگے ٹائٹل۔

پہلا حصہ شہرزاد اور دوسری کہانیاں (جدید) ۸ر

دوسرا حصہ حرکت میں برکت 〃 〃 〃 ۸ر

تیسرا حصہ مرجینا 〃 (بہ ترتیب سابق ۵۰ صفحے) ۶ر

چوتھا حصہ سچی بہادری 〃 (جدید) ۸ر

پانچواں حصہ گلنار بیگم اور دوسری کہانیاں (〃) ۸ر

چھٹا حصہ سنجوگ 〃 〃 ۸ر

متفرق کہانیوں کی کتابیں

سنہری گھنٹی۔ اور دوسری کہانیاں۔ دلچسپ اور مفید کہانیوں کا مجموعہ جگہ جگہ تصویریں، خوش نما ٹائٹل۔ قیمت صرف ۵ر

نادرہ۔ اور دوسری کہانیاں۔ دورنگا خوش نما ٹائٹل ۵ر

کہانی نانی کی زبانی۔ مشہور و معروف ادیب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی مدظلہٗ نے خاص کر بچوں کے لئے یہ کہانی لکھی ہے۔ دوسری کہانی ایک اور بزرگ خواجہ ناصر نذیر فراق دہلوی مرحوم کی لکھی ہوئی ہے، وہ بھی اپنے رنگ میں خاص ہے۔ قیمت صرف ۴ر

دُردانہ۔ اور دوسری کہانیاں۔ مشہور جرمن ادیب ہاؔف وغیرہ کی نہایت دلچسپ کہانیاں۔ قیمت صرف ۸ر

چند اسلامی کتابیں

اچھی کہانی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی قرآن مجید سے دوسرا ایڈیشن۔ خوش نما ٹائٹل۔ قیمت ۴ر

نیا میلاد۔ بچوں اور کم پڑھے لکھوں کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر جامع سیرت پاک۔ میلاد مبارک کی محفلوں کے لئے بہت موزوں ہے۔ خوش نما دورنگا ٹائٹل۔ ۴ر

یارانِ نبی۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ اور سبق آموز سیرتیں۔ قیمت صرف ۴ر

ستارے۔ مشہور اور بڑے بڑے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ، سیرتیں قیمت صرف ۸ر

آزاد بک ڈپو کی کتابیں۔

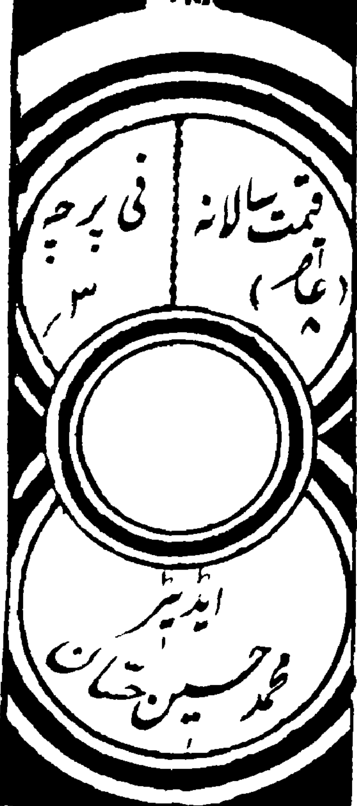
کائناتِ عرب۔ جزیرہ نمائے عرب کے جغرافی، تمدنی اور تاریخی حالات از مولانا محمد حسین آزاد۔ قیمت ۶ر

مکتبہ جامعہ، دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی

پیام تعلیم

پیام تعلیم :- دہلی، یوپی، سی پی، برار، رام پور، قلات، بنگال، میسور، حیدرآباد، سندھ، کشمیر، پنجاب، بہار اور سرحد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔

جلد ۲۷ — فہرست مضامین نومبر ۱۹۴۴ء — نمبر ۲



پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

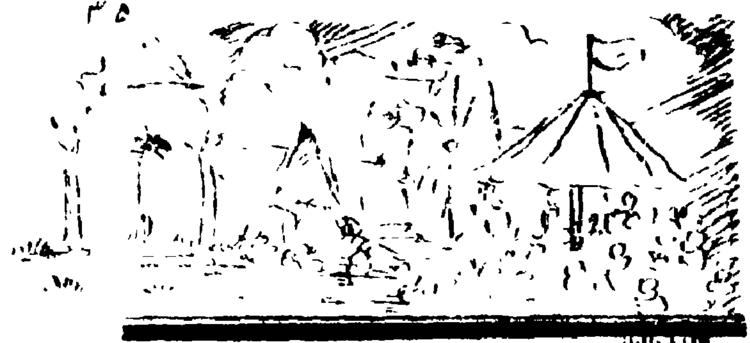
پچھلا پرچہ شائع ہوتے ہی پیامیوں کے خطوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان خطوں میں خوشی بھی ظاہر کی گئی ہے۔ مبارک باد بھی دی گئی ہے۔ آیندہ کے لئے اچھی اچھی اُمّیدیں بھی باندھی گئی ہیں۔ سچ جانو ان خطوں سے ہماری ہمّت بہت بڑھ گئی ہے۔ ہم سب پیامیوں کو دلی مبارک باد دیتے ہیں۔

پچھلی ۲۹ اکتوبر کو ہماری جامعہ کا یوم تاسیس یعنی سال گرہ کا دن تھا۔ ہماری جامعہ اسی دن قائم ہوئی تھی۔ ہم نے پچھلا پیام تعلیم اسی موقع پر شائع کیا۔ اس لئے اس پرچے کے چھپنے میں کچھ دیر لگے گی۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ دسمبر سے پرچہ وقت پر آجائے۔

اگلے سال یعنی ۱۹۴۵ء میں ہماری جامعہ کو قائم ہوئے ۲۵ برس ہو جائیں گے۔ اس خوشی میں جامعہ اپنی سلور جوبلی منا رہی ہے۔ یہ سلور جوبلی بہت اہتمام سے منائی جائے گی۔ پیام تعلیم بھی اس موقع پر اپنا خاص نمبر پیش کرے گا۔

اس نمبر میں کیا کیا باتیں ہونی چاہیں۔ اس کے بارے میں تم ابھی سے اپنی اپنی رائیں لکھ کر بھیج دو۔ تاکہ جلد ہم کسی نتیجے پر پہنچ جائیں اور تیاری شروع کر دیں۔ اس خاص نمبر کے علاوہ ہم چاہتے ہیں کہ پیام بہنوں اور پیام بھائیوں کی طرف سے بھی کوئی تحفہ پیش کریں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ وہ تحفہ کیا ہو؟

اس پرچے میں بدھو میاں میلے چلے۔ ٹنّو ٹلّو کی کہانی، شیر ببر، لکڑی کی قمیص اور مزے مزے کے کھیل تمھیں خاص طور پر پسند آئیں گے۔ یہ کھیل ہر مہینے چھپا کریں گے۔ ننھے پیامیوں کے لئے ایک اور چھوٹی سی کہانی ہے۔ یہ بھی دلچسپ ہے۔ اسے ہم نے اس لئے اور بھی چھاپا ہے کہ اس کی تصویروں میں اپنی پسند کے رنگ بھی بھر دو۔



بُدّھو میاں میلے چلے

محمد شفیع الدین صاحب نیّر



بدھو میاں میلے چلے ؛ آتے ہی جی میں چل پڑے
یہ بھی نہ پوچھا ہے کہاں ؛ بھولے وہ رستہ اس لئے
پوچھا کسی سے جب پتا
اُن کو بتا تب راستا

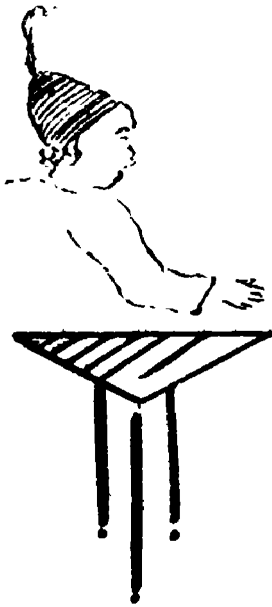
جمگھٹ تھا میلے میں لگا ؛ چلنا بڑا دشوار تھا
آہستہ آہستہ مگر ؛ ممکن تھا سب کا دیکھنا
بُدھو میاں نے کیا کیا
ہر ایک کو دھکّا دیا

اک شخص کو سوجھی ہنسی ؛ کی اس نے اُن سے دل لگی
کھٹ سے اڑنگا دے دیا ؛ بُدھو نے کھائی لڑھکنی
جب سر کے بل دھم سے گرے
سب نے لگائے قہقہے

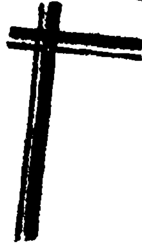
بُدھو میاں بھوکے بھی تھے ؛ اس واسطے کچھ پھل لئے
کیلے، سنگھاڑے، سنترے ؛ جی بھر کے وہ کھانے لگے
چھلکے بکھیرے جا بجا
سڑکوں پہ کوڑا کر دیا

۳۷

چرایا کسی نے روپے ؛ بدھو میاں کے پاس تھے
غافل اُنھیں پایا تھا ؛ ایک جیب کترے نے لئے
جب جیب خالی ہو گئی
بُدھو پہ بجلی سی گری
بُدھو میاں کی بُدھی ؛ دیتی خوشی ہے اک نئی
ہوتی ہے دل میں گدگدی ؛ آتی ہے رہ رہ کر ہنسی
ہنستے ہیں لے لے کر مزے
بُدھو کی ہر ہر بات سے
بُدھو جو مل جائیں کبھی ؛ ان کو یہ سمجھا دے کوئی
ایسی نہ وہ باتیں کریں ؛ سنتے ہی جو سب کو دل لگی
ہر بات پہلے سوچ لیں
پھر شوق سے اس کو کریں
کہنے نہ پائے پھر کبھی ؛ اُن کو بُرا ہنس کر کوئی
ایسا جو ہو جائے تو پھر ؛ ان کو بھی حاصل ہو خوشی
گذرے مزے سے زندگی
کہلائیں وہ بھی آدمی







اتنے میں کیا قصہ ہوا ٭ اندھا تھا کوئی جا رہا
پیر اُس بچارے کا جو نہیں ٭ کیلے کے چھلکے پر پڑا
وہ گر گیا چوٹ آ گئی
اُس نے دُعا بدھو کو دی

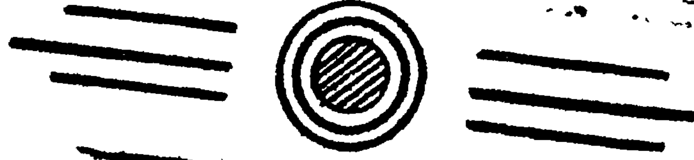


پانی کے مٹکے اور گھڑے ٭ رکھے ہوئے تھے صاف تھے
ڈونگا بھی رکھا تھا وہیں ٭ پیاسے تھے پانی پی رہے
لیکن خیال ان کو یہ تھا
پانی نہ گندہ ہو ذرا
بدھو میاں آگے بڑھے ٭ پانی کی چوکی پر چڑھے
ڈونگا اُٹھا کر اس طرح ٭ مٹکے میں ڈالا آپ نے
پانی میں ڈوبا ہاتھ بھی
گندہ ہوا پانی سبھی

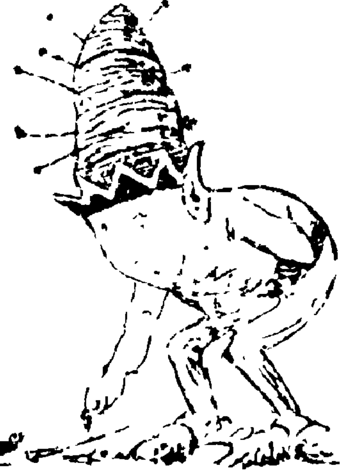
بدھو میاں کو پان کا ٭ بچپن سے تھا چسکا پڑا
چرتی ہیں چارہ بکریاں ٭ اس طرح چرتے تھے سدا
مُنہ ان کا تھا اور پان تھا
رہتا تھا پانوں سے بھرا
اس ان کی لت نے کیا کیا ٭ یہ گُل کھلایا اک نیا
باقی نہ چھوڑی اک جگہ ٭ جس پر نہ ہو دھبا پڑا
بدھو کی پیکوں کا اثر
ہر سمت آتا تھا نظر









پنّو ٹلّو

از بچوں کے ادیب مجلی صاحب

ایک بونا تھا پنّو۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا مگر بٹن اکٹھا کرنے کا جو اُسے شوق تھا، سب اُسے "پنّو ٹلّو" ہی کہا کرتے تھے۔ بٹنوں کے پیچھے وہ کچھ ایسا دیوانہ رہتا کہ اور کسی بات کی پرواہ نہ کرتا۔ نہ کھانے کی فکر نہ پہننے کی نہ کپڑے کی۔ دن رات بٹنوں کو اکٹھا کرتا پھرتا۔ ایک تو بھرا بونا اُس پر یہ نرالی دھن۔ جو کوئی اُسے دیکھتا ہنستا، وہ بٹنوں کو طرح طرح سے سنبھال سنبھال کے رکھتا۔ پھر اُن پر رنگ چڑھاتا۔ کسی پر کالا، کسی پر لال کسی پر پیلا، کسی پر ہرا۔ پھر اُن کی گڈیاں بنا بنا کے چھوٹے بڑے ڈبوں میں رکھا کرتا اور ان ڈبوں کو چن چن کے رکھتا اور دیکھ دیکھ کے دل ہی دل میں خوش ہوا کرتا۔ پنّو شہر سے دُور ایک گاؤں میں رہا کرتا، وہ شہر اور شہر والوں سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شہر والے کچھ اچھے لوگ نہیں ہوتے، مطلب ہو تو سب کچھ نہیں تو پہچانتے بھی نہیں۔ پھر وہ شہر کی چیخ پکار سے بہت گھبراتا تھا۔

ایک بار کیا ہوا کہ شہر سے ایک پھیری کرنے والا آیا۔ وہ بساطی جاڈو بھی خوب جانتا تھا۔ بغل میں ایک بہت پرانی سی بقچی دبلئے چلا جا رہا تھا۔ پنّو نے جو بساطی کو دیکھا تو لپکا، بولا: "کیوں میاں! تمھارے پاس بٹن بھی ہیں بھلا؟" بساطی نے کہا: "نہیں: میں بٹن تو نہیں رکھتا۔" پنّو نے کہا:- "واہ، تو پھر تمھارے پاس کیا ہے!"

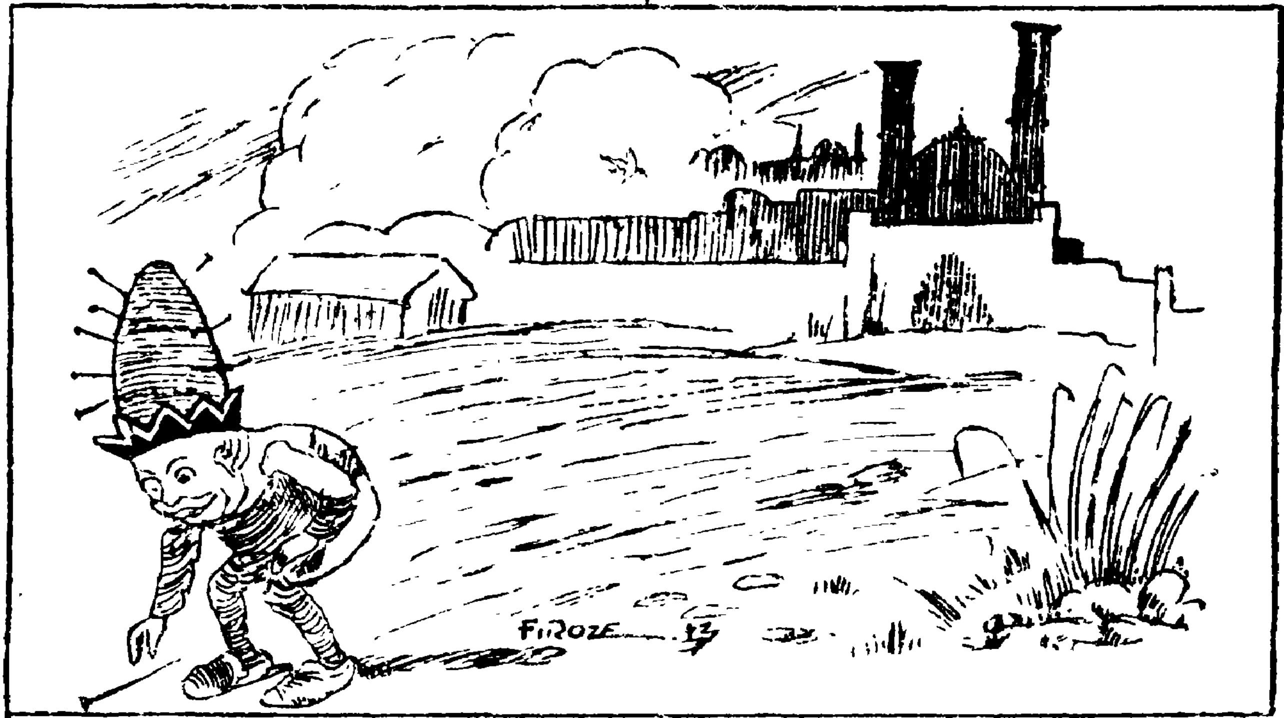
پنّو اور بساطی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بہت زور کی ہوا چلنے لگی اور بساطی کی پھٹی ہوئی بقچی سے اُس کی چیزیں اُڑنے لگیں۔ پنّو کو یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ بچارے کا جو کچھ ہے یہی پھٹی پرانی بقچی ہے، جو اس طرح ہوا میں اُڑ گئی تو اس کے پاس کیا رہے گا۔

پنّو بولا:- "اچھا سنو۔ میرے پاس بہت سی بٹنیں ہیں۔ یوں تو میں وہ کسی کو نہ دوں، پر تمھارا

نقصان بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا، لاؤ تمھاری بقچی کے سوراخ اپنی پنوں سے بند کر دوں۔"

"واہ بھئی واہ" بساطی بولا۔ "نیکی اور پوچھ پوچھ! خدا تمھارا بھلا کرے، لو میں یہیں بیٹھا جاتا ہوں۔ تم میری بقچی کے سوراخ اپنی پنوں سے بند کر دو۔"

ایک بار کیا ہوا کہ بادشاہ کی بیٹی سیر کو نکلی اس کی پوشاک بہت نازک تھی۔ مہین ایسی جیسے مکڑی کا جالا۔ سفید اور ہلکی ایسی جیسے روئی کا گالا۔ ہونے والی بات شہزادی جو ایک کانٹوں والے پیڑ کے پاس سے گزری تو اس کی پوشاک میں کھونچے لگ گئے۔ اب تو شہزادی بہت پریشان! سہیلیوں اور



اب میاں پنو لگے اپنی پنوں سے بقچی کے سوراخ بند کرنے۔ جب کام پورا ہو گیا تو بساطی بہت خوش ہوا، اور کہیں چلا گیا۔ کئی دن پیچھے وہ بساطی پھر آیا تو پنو کے لئے ایک بہت اچھا سا پن کشن لایا۔ وہ پن کشن جادو کا تھا اور اس میں پنوں کو زنگ بھی نہیں لگتا تھا۔

خواصوں، کنیزوں سے بولی: "اب میں کیا کروں، دوسری پوشاک بھی نہیں یہاں، بس تو اب اسی کو سی سلا کے ٹھیک کرو ——— مگر بڑی مشکل تھی۔ کسی کے پاس نہ تو سوئی تھی نہ تاگا تھا۔ پوشاک ٹھیک ہو تو کیسے!

اب خدا کا کرنا وہی بساطی مل گیا۔ اس نے

جو یہ ماجرا سنا اور شہزادی کو بہت پریشان دیکھا تو بولا:۔ "دیکھئے اس گاؤں میں ایک بونا رہتا ہے بنٹو اس کا نام ہے، اس کے پاس طرح طرح کی پیٹیاں ہیں، وہ جو کہیں راضی ہو جائے اور آپ کی مدد کرے۔ اپنی پنوں سے کام لے تو یقین ہے آپ

پڑے" بولا:۔ "ہاں، ہاں میرے پاس پنیں ہیں تو سہی لیکن جو اسی طرح میں انھیں بانٹنے لگا تو میرے پاس کیا رہے گا" لیکن شہزادی کی صورت شکل اُسے بہت بھائی۔ بولا:۔ "اچھا، آپ ہماری شہزادی جو ٹھیریں آپ کے لئے تو ہماری کھال بھی کام آئے



کی پوشاک ایسی ٹھیک ہو جائے گی کہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ بھلی معلوم ہو گی"

شہزادی یہ سُن کر بہت خوش ہوئی۔ یساطی کو ساتھ لے بنٹو کے پاس گئی۔ بنٹو نے جو یہ ماجرا سنا تو کچھ کسمسایا، سوچنے لگا۔۔ لو یہ ایک اور جرمانہ

تو ہمیں انکار نہیں"

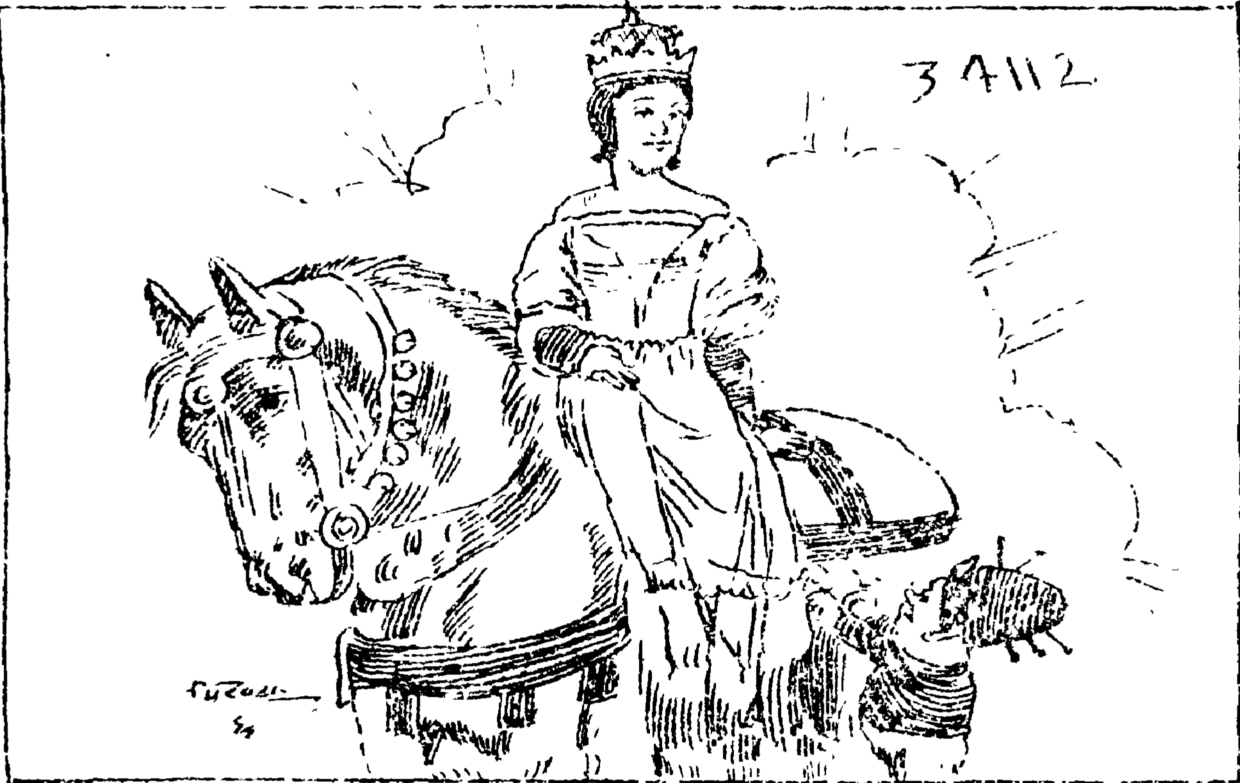
آخر بنٹو اپنے جادو کے پن کُشن میں سے کوئی دس گیارہ پنیں لے شہزادی کی پوشاک ٹھیک کرنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے پوشاک ایسی تو ٹھیک ہو گئی کہ پہلے سے زیادہ بھلی معلوم ہونے لگی کھونچوں کی جگہ

بہت ہی باریک قسم کی چکن بن گئی۔ شہزادی یہ کرشمہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ پتو ٹلو کو پیار کیا اور چلی گئی۔

گھر پہنچ کے شہزادی اٹھوانٹی کھٹوانٹی لے پڑ گئی۔ نہ ہنسنا نہ بولنا۔ نہ کھانا نہ پینا۔ کئی دن

شادی کرنی چاہتی ہوں۔ اُس کا نام ہے پتو اور وہ پڑوس کے گاؤں میں رہتا ہے۔"

آخر بڑی دھوم دھام سے میاں پتو کی شہزادی سے شادی ہوگئی۔ شادی کے دن پتو کے گھر سے شہزادی کے گھر تک پتوں کا فرش



یہی حال رہا بادشاہ سلامت کو خبر ہوئی اور بادشاہ بیگم کو بھی۔ وہ بہت گھبرائے شہزادی سے حال پوچھا "بھلا بتاؤ تو سہی بیٹی! بات کیا ہے!"

بڑی مشکل سے شہزادی نے اپنے دل کی بات کہی۔ اُس نے کہا: "میں ایک بونے سے

بچھایا گیا۔ جگہ جگہ پتوں کے بڑے بڑے دروازے بنائے گئے، اور پتو کو ایک تاج پہنایا گیا جس میں ہزاروں پتیں بہت خوش نمائی سے لگائی گئی تھیں۔

چوہا بلّی اور کُتّا

حمید احمد، اعظم گڑھ

سنائیں تمھیں اک مزے کی کہانی
سُنی تھی جو ہم نے کسی کی زبانی

نہ جانے یہ کیا آج جی میں سمائی
کہ چوہے بہادر نے باہر کی ٹھانی

نکل اپنے بل سے خراماں خراماں
چلے جا رہے تھے بصد شادمانی

اگرچہ قدم پڑ رہے تھے زمیں پر
پہ دُم لا رہی تھی خبر آسمانی

کہ اتنے میں بلّی نے حضرت کو تاکا
کہا جی میں "آیا مرا دانہ پانی"

یکایک جھپٹ کر پھر آ ہی دبوچا
کہ وہ بھوک سے ہو رہی تھی دوانی

جو یہ چودھری جی نے دیکھا کہ اب تو
ذرا دیر کی رہ گئی زندگانی

تو گویا ہوئے یوں "مری اچھی خالہ
جو سُن لیجئے اک عرض ہو مہربانی"

سُنی ان سنی کردی بلّی نے یارو
نہ کچھ بھی میاں چوہے کی بات مانی

بس اب چٹ ہی کر جانے والی تھی اُن کو
کہ کُتّے نے آکر بدل دی کہانی

جو بدلا ہوا رنگ بلّی نے دیکھا
تو پھر دیکھتا کوئی اس کی روانی

ہوئی اس طرح نو دو گیارہ وہاں سے
کہ مشکل ہوئی راہ کی گرد پانی



لکڑی کی قمیص دودھ کا کوٹ

مشتاق احمد اعظمی

میں دبے دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا ۔ سوچا کہ کسی طرح دو چار گھنٹے اور ٹل جائیں پھر تو رات ہو جائے گی، سب سو رہیں گے ۔ مگر تو بہ کیجئے سب میری تاک میں بیٹھے تھے جیسے بلی چوہے کی۔ مجھے دیکھتے ہی سبھوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور لگے کاؤں کاؤں کرنے "کپڑے ، کپڑے بھائی جان عید کے لئے نئے کپڑے ۔"

میں نے مجبوراً کہا " اچھا بھائی ، اچھا کیسے کیسے چاہئیں نئے کپڑے ؟"

غانم :- ہمارے لئے دو قمیضیں ، چار پاجامے ایک شیروانی ....

حاکم :- (بات کاٹ کر) ہاں ، ہاں پوری دکان ہی خرید لونا (منہ چڑھاکر) دو قمیضیں ، چار پاجامے ، چار پاجامے ، کیوں ! کیا چار ٹانگوں میں پہنوگے ۔

غانم :- اچھا آپ خاموش رہیئے ۔

نیاز :- بھائی جان ہمارے لئے ایک لحاف اچھا سا ، لال سا ، خوب لال سا ۔

میں : لحاف ؟ عید کے کپڑوں میں لحاف بھی شامل ہے ؟

نیاز : ارے بھائی جان نماز پڑھنے نہیں چلیں گے ، تو بس ہم لحاف اوڑھ کر عیدگاہ چلیں گے ۔

(سب ہنستے ہیں)

میں :- تم بھی کہہ ڈالو بھائی حاکم ۔ تمھیں کیا کیا چاہیئے ؟

حاکم : بھائی جان کچھ زیادہ نہیں ، یہی چند پاجامے چند قمیصیں ، دو ایک شیروانیاں اور ایک گرم کوٹ بھی ہو جائے تو اچھا ہے ۔ یہ تو اب چل بسا ۔

غانم : (طنزیہ) ذرا آپ کا منہ دیکھئے اور یہ فہرست ۔

میں : اچھا بھئی لڑو نہیں ، ہر ایک کی چیز آ جائے گی ۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ کپڑے کیسے چاہئیں ۔

غانم: میں تو کیلے کی چمکتی ہوئی قمیص لوں گا، بڑی لمبی۔ اور اسی کپڑے کی شیروانی، پیلے رنگ کی۔

حاکم: ہاں اور سرخ سا پاجامہ بھی پہن لینا جوڑا پورا ہو جائے گا۔

غانم: پہنیں گے ہی، پہنیں گے، ایک نہیں ہزار بار، آپ کا سا جھا؟

حاکم: ہاں کوئی سینگ تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ بھائی جان میرے لئے تو ریشم کی شیروانیاں، اچھے اون کا کوٹ، ٹوئی ڈن کا پاجامہ اور گبرون کی قمیص۔ بس یہی معمولی کپڑے کافی ہیں مہنگائی کا زمانہ ہے۔

نیاز: ارے بھائی جان، میری بھی تو سنئے، جیسی شمیمہ کی اوڑھنی ہے نا۔ بس اسی رنگ کا لحاف اوڑھ کر عیدگاہ چلیں گے۔ چاہے آپ بھی اوڑھ لیجئے گا۔

میں: اور کبھی تم میں سے کوئی لکڑی کی قمیص پہننے کے لئے بھی تیار رہے؟

سب: (ایک آواز میں)۔ لکڑی کی قمیص!

میں: ہاں، ہاں اور دودھ کا کوٹ!

غانم: مذاق مت کیجئے۔ آپ ہم لوگوں کو بہلانا چاہتے ہیں۔ بڑے آئے۔ لکڑی کی قمیص، کہیں لکڑی کی بھی قمیص ہوتی ہے؟

حاکم: بھائی جان میں آٹھویں جماعت پاس ہوں مجھے آپ اتنی آسانی سے دھوکا نہیں دے سکتے، کسی نے آج تک سنا بھی کہ لکڑی اور دودھ کے کپڑے بنتے ہیں۔

میں: تم نے تو بکواس شروع کر دی، میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، دور کیوں جاؤ تمھارا یہ کوٹ دودھ ہی کا تو بنا ہوا ہے۔

(حاکم اپنے کوٹ کو حیرت سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں کہ غانم دو چار قدم پیچھے ہٹ کر کہتا ہے)

غانم: پھر تو بھائی جان اُن کے لئے کوٹ نہ بنوائیے گا، بھوک لگی اور یہ پی گئے۔

میں: پھر وہی مذاق کی باتیں، دیکھو یہ تمھاری کیلے کی قمیص لکڑی کی تو ہے، جی ہاں تم تو اسے ریشم سمجھتے ہو گے۔ بڑھیا ولایتی ریشم، کیوں ٹھیک ہے نا؟

غانم: تو پھر یہ چبھتی کیوں نہیں، اور لیٹنے سے ٹوٹ کیوں نہیں جاتی۔

حاکم: تو بھائی جان کیا سچ مچ لکڑی اور دودھ کے کپڑے بنتے ہیں۔ کیسے بنتے ہیں آخر؟

میں: لمبی کہانی ہے۔

سب: سنائیے، سنائیے۔

نیاز: ہاں بھائی جان، کہانی سنائیے لال پری کی کہانی۔

میش :۔ حاکم میاں تم نے کیمیا کا لفظ تو سنا ہوگا

حاکم :۔ ہاں، ہاں وہی نا جس سے سونا بناتے ہیں۔

میش :۔ خیر سونا تو کہاں بنایا گیا۔ اگرچہ لوگوں کو یقین ضرور تھا کہ کیمیا سے لوہے کو سونا بنایا جا سکتا ہے۔

نیاز :۔ ہاں بھائی جان تو پری نہیں آئی۔

غانم : چپ، سمجھنا، پوچھنا، ایک حرف نہیں ٹک ٹک کیے جائے گا۔

میش :۔ لیکن اس زمانے کے سائنس داں کیمیا کا پتہ پا گئے

حاکم :۔ پھر تو جہان سے لوہا غائب سمجھیے۔

میش :۔ نہیں بھائی لوہے کا تو غم نہیں ہاں درخت اور دودھ کے غائب ہوجانے کا ڈر ضرور ہے۔

غانم ۔ تو پھر آم بھی کھانے کو نہ ملے گا۔

نیاز ۔ میں تو بھیا جلدی سے اپنا دودھ پی لوں، نہیں تو غائب ہو جائے گا۔

(باورچی خانے کی طرف بھاگتا ہے)

حاکم :۔ بھائی جان دودھ اور درخت کیوں غائب ہو جائیں گے، کیا ان کا سونا بنائیں گے!

میش : سونا نہیں کپڑے ۔ یہ کیمیا سونا نہیں بناتی بلکہ درخت اور دودھ کے کپڑے بناتی ہے کپڑے ۔ خیر کیمیا کی کہانی سنو:۔

ایک جولاہے صاحب ایک روز کپڑوں کا گٹھر اپنی پیٹھ پر لادے ایک تالاب کے پاس سے گزرے ۔ تالاب کے کنارے چند بڑھئی ایک سوٹی سی لکڑی چیر رہے تھے اس کا برادہ اڑ اڑ کر پانی کے اوپر گر رہا تھا اور اس کے اوپر برادے کی ایک چادر سی بن گئی تھی ۔ میاں جولاہے کو یہ چادر بہت بھائی اور جھٹ پانی میں ہاتھ ڈال اسے اٹھانا چاہا۔ چادر تو خیر کیا ہاتھ آتی ہاں نرم یا ریک اور بھیگا ہوا برادہ ہاتھ لگ گیا۔ برادے کی نرمی اور چکنا ہٹ دیکھ کر ان کے دل میں کاغذ بنانے کا خیال آیا اور وہ میاں جولاہے سے کاغذ ساز بن گئے لیکن انھوں نے اپنے گر کی قدر نہ جانی اور اپنے ہنر کو دوسروں پر نہ بیچ کر ٹھکانے لگایا ورنہ میاں جولاہے آج لکھ پتی ہوتے ۔

غانم : بے چارا غریب جولاہا ۔

حاکم :۔ ہاں تو بھائی جان پھر کاغذ سے کپڑا بنایا گیا؟

میش :۔ نہیں بھائی کاغذ سے تو کپڑا نہیں بنا لیکن برادے سے کاغذ بنتے دیکھ کر فرانس کے

ایک سائنس داں ری نی (RENE) نے سوچا جب میاں جولاہے بُرادے سے کاغذ بنا سکتے ہیں تو کیا میں برادے سے کپڑا بھی نہیں بنا سکتا۔ یہ سوچ کر اس نے شہتوت اور دوسرے درختوں کی چھال لی۔ اُسے سوڈے میں پکایا، پھر صابن ملایا، خوب گھوٹا، گھوٹنے کے بعد چونا ملایا، ایک دوا ڈالی پھر سلوشن ملا کر ریشم کا مسالہ تیار کر لیا لیکن جب اس مسالے سے ریشم کا دھاگا بنانے بیٹھا تو .... ساری محنت پر پانی پھر گیا۔

حاکم :- دھاگا نہیں نکلا ؟

میں :- نہیں دھاگا تو نکلا لیکن ایسا کہ اُس سے کپڑا نہیں بنا جا سکتا تھا۔ اس کی ناکامی دیکھ کر ریشم کا کیڑا جو اب تک اپنے شہتوت کے درخت پر سہما ہوا بیٹھا تھا کھلکھلا کر ہنس پڑا چہ چہ چہ "نقلی ریشم بناؤگے ہوا کھاؤ"

اتنے میں میاں نیاز بھی مُنہ پوچھتے آ گئے۔

نیاز :- بھائی جان وہ دھوپی آیا۔ اب کپڑے غائب ہوں گا

(سب ہنستے ہیں)

میں :- لیکن ری نی ہی کے ملک کے رہنے والے ایک دوسرے سائنس داں کارڈونٹ (CHARDONNET) نے کہا، ننھے کیڑے ٹھہر جا۔ میں تیری بادشاہت ختم کر کے رہوں گا۔

غانم : بنا لیا اس نے ریشم !

میں :- ہاں جیسے جولاہے کو اتفاق سے کاغذ بنانے کی ترکیب معلوم ہو گئی۔ اسی طرح کارڈونٹ کو بھی اتفاق ہی سے نقلی ریشم بنانے کا گُر معلوم ہو گیا۔ ایک روز اتفاق سے اس کا ہاتھ کلوڈین (COLLO DION) (ایک گوند سی چیز جو بہت سی دواؤں سے مل کر بنتی ہے۔) میں سن گیا۔ اُنگلیوں کو جو پھیلایا تو باریک باریک چکنے تار اپنے خیال میں ڈوبا گردن لٹکائے، آنکھیں بند، آہستہ آہستہ لمبے قدم اُٹھاتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ کلوڈین کے گھڑے سے ٹھوکر لگی گھڑا ٹوٹ گیا اور سارا کلوڈین زمین پر بکھر گیا۔

نیاز :- خوب ڈانٹ پڑی ہوگی !

میں :- (سُنی ان سُنی کر کے) لیکن کارڈونٹ کو کلوڈین کا کیا غم وہ تو اس سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ کیا اِس سے ریشم کے دھاگے بھی بن سکتے ہیں صبح جو اس کی نظر بکھرے ہوئے کلوڈین پر پڑی تو سیکڑوں باریک باریک

چمکیلے تار ہوا میں لہرا رہے تھے !!

حاکم : لیکن کلوڈین کے تاروں سے کپڑا کیسے بنا جا سکتا ہے ۔

میش :- ابھی بتاتا ہوں ۔ اس بات کا معلوم ہونا تھا کہ کارڈونٹ نقلی ریشم بنانے کی دھن میں لگ گیا ۔ اب کارڈونٹ نے ریشم کے کیڑے کو غور سے دیکھنا شروع کیا ۔ اس نے دیکھا کہ ریشم کا کیڑا شہتوت کے پیڑ پر رہتا ہے ۔ اس کی پتیاں کھاتا ہے ۔ اس کے جسم میں دو باریک باریک سوراخ ہوتے ہیں جن سے لعاب نکلتا رہتا ہے اور لعاب کے یہی باریک تار سوکھ کر ریشم کے دھاگے بن جاتے ہیں ۔ بس اس نے شہتوت کی پتیوں کو لے کر انھیں کاٹا چھانٹا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک جمے ہوئے مادے سے بنی ہوئی ہیں جسے سیلولوس (CELLULOSE) کہتے ہیں ۔ اب کیا تھا کارڈونٹ نے شہتوت کی پتیوں اور اس کی لکڑی سے کلوڈین بنایا پھر اس میں شراب اور ایک اور دوا ملاکر اسے لئی کی طرح نرم بنا لیا

نیاز :- چھی چھی شراب ، غانم کی قمیص شراب کی ۔ چھی چھی ۔

میش :- اب اس لئی کو مشین میں ڈال کر دبایا تو باریک باریک دھاگے نکلنے لگے مشین کے چاروں طرف گرم گرم ہوا ہوتی ہے ۔ دھاگے نکلنے کے ساتھ ہی سوکھ جاتے ہیں ۔ اب تم چاہے انھیں برسوں پانی میں بھگوئے رکھو ، دوبارہ لئی بننے کا نام نہ لیں گے ۔ لیکن اس ریشم میں دو خرابیاں تھیں ۔ ایک تو یہ کہ اصلی ریشم سے مہنگا پڑتا تھا ۔ دوسرے مٹی کے تیل کی طرح اس میں دور سے آگ لگ جاتی تھی ۔ ریشم کا ننھا راجہ ایک مرتبہ پھر کھلکھلا کر ہنسا "چہ چہ چہ نقلی ریشم بناؤ گے ، ہوا کھاؤ" ۔

حاکم : کیڑے کی ہنسی سے تو بیچارے کیمیا والوں کا دل ٹوٹ گیا ہوگا ۔

میش :- نہیں بھائی ۔ یہ ہمت ہارنے والی قوم نہیں ہوتی ۔ انھوں نے چند دوائیں ملاکر جلنے کے امکان کو کم کر دیا اور سستا کرنے کے لئے جنگل کے جنگل کاٹ گرائے ۔

حاکم :- جنگل !

نیاز :- نہیں منگل ۔

میش : نیاز بات بھی تو سنو ۔ ہاں بھئی جنگل کے بڑے بڑے درختوں کو کاٹ گرایا ۔ ان کی چھال الگ کی ، پھر ان کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹے اور ان ٹکڑوں کا برادہ بنایا اور پھر برادے میں چند دوائیں ملاکر کلوڈین بنا لیا اور اس کلوڈین کے دھاگے کاٹ

نئے ریشم کا بہترین دھاگا جسے تم کیلا کہتے ہو اور جس کی قمیص پہن کر میاں غانم بھی اتراتے پھرتے ہیں۔

غانم:- ہاں بڑے۔

حاکم:- اجی بڑے بڑے کیا کرتے ہو تمھیں اب بھی شک ہے تو بھائی جان اب ریشم کے راجہ کی ہنسی غائب!

میں:- ہاں بھئی اب بے چارہ کس منہ سے ہنسے جتنا ریشم وہ چار ہفتے میں جمع کرتا ہے مشین ایک گھنٹے میں اس کا ڈھائی گنا ریشم پیدا کرتی ہے۔ اب تو بے چارہ اپنے شہتوت کے درخت پر بیٹھا اپنے آج کو چھنتے دیکھ رہا ہے۔ بازار میں کیلے کے کپڑوں کی بھرمار ہے اور ان کے آگے اصلی ریشم کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔

حاکم:- ہاں اور میاں غانم بھی لکڑی کی قمیص پہن کر اکڑتے پھرتے ہیں۔

غانم:- جی ہاں اور آپ بھی تو اپنے کوٹ کا دامن پی گئے۔

حاکم:- وہ تو بھائی جان نے مذاق کیا ہے۔

میں:- نہیں بھائی مذاق تو نہیں ہے۔ کیمیا دانوں کو تم سمجھتے کیا ہو، ان سے کوئی بات دور نہیں۔

حاکم:- بھلا دودھ کا اون کیسے بن سکتا ہے۔

میں: تم ابھی دودھ سے اون ہی کے چکر میں پڑے ہو۔ حالانکہ انھوں نے تو اب شیشے اور تانبے کے کپڑے بھی بنا لئے ہیں وہ کیمیا سے ہر چیز بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیمیا کی لکڑی، کیمیا کا چمڑا، یہاں تک کہ غلہ بھی کیمیاوی طریقے پر اُگائیں گے۔ پھر چاہے بارش ہو نہ ہو، سورج چمکے یا نہ چمکے، اولے پڑیں یا پتھر لہلہاتی کھیتی کھڑی ہے۔ اس وقت ساری چیزیں مٹی کے بھاؤ ملیں گی۔

حاکم:- پھر تو کیلے کا کپڑا بڑا سستا آتا ہوگا۔ خود ہمارے ملک میں لکڑی کی کیا کمی!

میں:- افسوس کہ ہمارے یہاں یہ کپڑا نہیں بنایا جاتا لکڑی کو تو چھوڑو۔ ابھی [illegible] معلوم ہوا ہے کہ روئی کے بیج سے بڑا اچھا کیلا بن سکتا ہے۔ صرف بمبئی اور پنجاب سے ہر سال روئی کی لاکھوں گانٹھیں نکلتی ہیں اور ہر سال لاکھوں من بیج بے کار پھینک دئے جاتے ہیں۔

حاکم:- عجیب بے وقوف ہیں۔ اُن سے کپڑے کیوں نہیں بنتے۔

میں:- بنانے بھی تو پائیں۔ بات یہ ہے......

(میں نے اشارے سے بتایا کہ [illegible] کہ اگر ہمارے ملک میں بھی کیلے کا کپڑا بننے لگا تو پھر اُن کے یہاں سے کون خریدے گا۔ بتاؤ وہ کون ہے؟

حاکم میاں تو سوچتے رہے کہ وہ کون ہے نیاز اور غانم کو جو ذرا موقع ملا تو انھیں یک بیک یاد آیا اب کپڑے تو ابھی تک آئے نہیں!!

غانم :- اچھا، اچھا اب بازار تو چلئے، دیکھئے مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔

نیاز : (تالی بجا کر) ہاں ہاں ہمارا لحاف لال سا۔

میش :- ارے بھئی سنو تو۔ جلدی کیا ہے۔ ذرا لپک اپنے البم تو لے آؤ اور میری نیلی سی وہ موٹی کتاب بھی۔ دیکھو کیسی عمدہ چیز بناتا ہوں (حاکم اور غانم تو دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے البم اور کتاب لانے چلے گئے اور میاں نیاز ایک کتے کے کان کھینچنے میں مشغول ہو گئے)

میش :- اچھا بھئی اپنے اپنے البم میں ایک عنوان قائم کر لو۔ "لباس کی خاموش کہانی" کاغذ، پنسل لے کر جیسی یہ تصویریں بنی ہوئی ہیں نا ویسی ہی تصویریں بنالو۔ اب انھیں اپنے البم میں چپکا لو۔ اور جو کچھ ان کے اوپر نیچے لکھا ہے تم بھی وہی لکھ دو۔ یہ ہوگئی لباس کی خاموش کہانی۔ البم پر ایک نظر ڈالی اور لباس کی کہانی آنکھوں کے سامنے اگر خود نہ بنا سکو تو عکس اتار لو۔

لیکن بھئی تم لوگ تو ماشاء اللہ بڑے تیز ہو۔ سبھی بنا لوگے۔ ہاں بھاگ کے کاغذ پنسل تو لے آؤ۔

جیسے ہی تینوں نے پیٹھ موڑی میں کھسکا۔ لیکن حاکم تھوڑی ہی دور جا کر میری نیت بھانپ گیا وہیں سے مڑ پڑا اور نعرۂ حیدری مار کر میرے پیچھے لپکا "ارے نیاز، غانم دوڑو، دوڑو، یہ بھاگے جارہے ہیں" میں غڑپ سے پاس کے کھیت میں نالی میں چھپ کر بیٹھ رہا، لیکن نیاز میاں کی آواز "ہمارا لحاف" ، عیدگاہ کی مسجد" برابر قریب ہوتی چلی جارہی تھی ؂

(تصویروں کا البم اگلے صفحے پر دیکھو)

لباس کا البم



(۱) کھال کا لباس



(۲) بالوں کا لباس



(۳) بے لباسی



(۴) روئی کا لباس



(۵) پتیوں کا لباس



(۶)



(۷) کڑاہی کا لباس



(۸) دودھ کا لباس

میں بعض عجیب و غریب باتیں پائی جاتی ہیں اور ان کی بعض عادتیں دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے۔

ثریا:- چچا جان ہر ایک جانور کی کچھ نہ کچھ باتیں بتائیے۔

چچا جان: تم ٹھیک کہتی ہو ثریا۔ ایسا ہی کروں گا۔ کیوں، عدنان۔

عدنان:- جی ہاں، ٹھیک ہے۔

چچا جان:- اچھا سب سے پہلے یہ دیکھو۔

ثریا:- ارے یہ تو زخم کا نشان ہے، چچا جان۔

سرور:- کیسے زخم لگا تھا آپ کے۔ بہت بڑا نشان ہے۔

چچا جان:- ابھی سب کچھ بتاتا ہوں۔ کئی سال کی بات ہے۔ جب میں افریقہ میں تھا تو ایک شیر ببر نے میری اس ران کو پکڑ لیا تھا

ثریا:- اُف۔ توبہ۔ شیر ببر نے

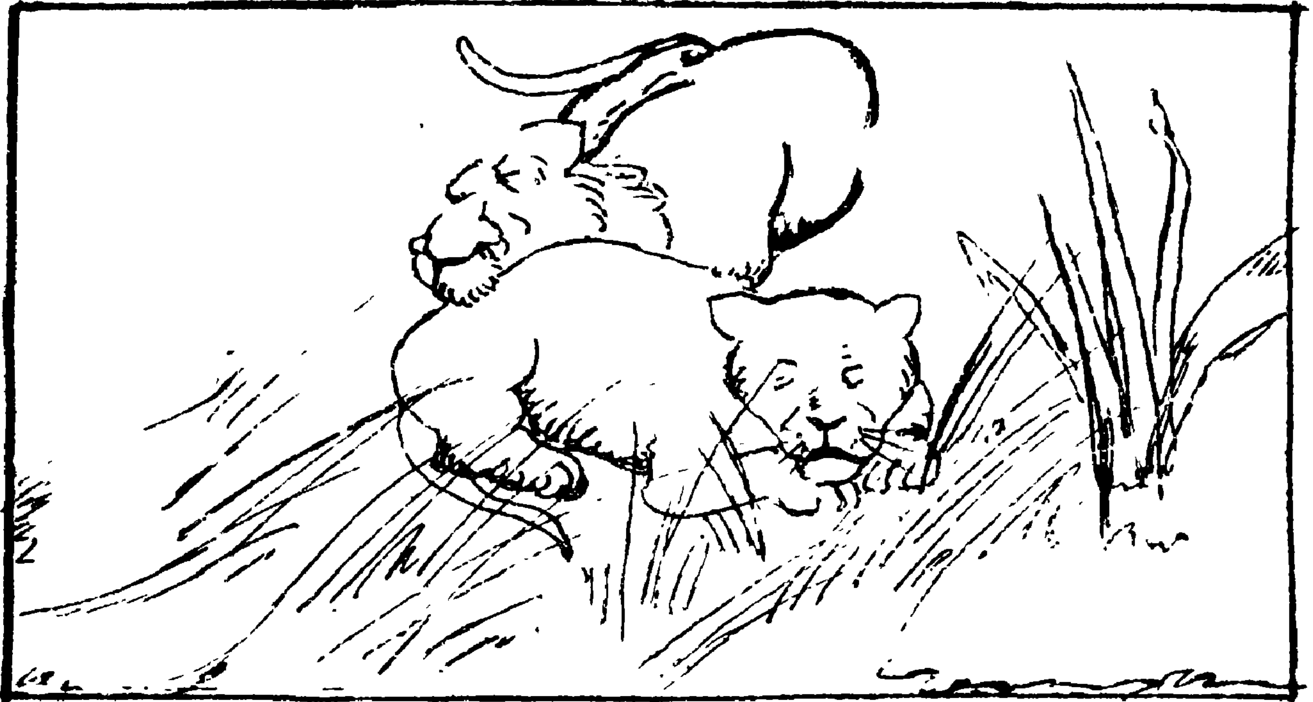
چچا جان:- یہ شیر ببر بوڑھا ہو گیا تھا۔ مگر بڑا خوب صورت تھا۔ صحرا کے قریب ہی ایک غار میں رہا کرتا تھا۔ اس غار کے پاس چند گاؤں تھے اور ان میں رہنے والے کئی مہینوں سے اس شیر ببر سے تنگ آ گئے تھے۔

عدنان:- کئی مہینوں سے کیوں؟

چچا جان:- یہ شیر ببر بڑھاپے کی وجہ سے جنگلی جانوروں کا شکار نہیں کر سکتا تھا۔ شکار کرنے کے لئے تیز دوڑنے کی ضرورت ہے اور بھلا بڈھے چاہے وہ آدمی ہوں یا شیر تیز کیسے دوڑ سکتے ہیں۔ چنانچہ کئی مہینوں سے اس شیر ببر نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی گاؤں کے پاس شام کو چھپکے سے چھپ جاتا اور جب عورتیں اور لڑکیاں ندی کے کنارے پانی بھرنے جاتیں تو اُن پر حملہ کر کے کسی کو دبوچ لیتا اور غار میں جا کر مزے سے اُسے چٹ کرتا۔ اتفاق کی بات میں اور میرے ایک دوست اس گاؤں سے گزرے۔ ہمارے آنے سے ایک دن پہلے اس شیر ببر نے کئی بچوں اور عورتوں کا صفایا کر دیا تھا۔ یہاں کے رہنے والے بے چارے سخت غمگین اور خوف زدہ تھے اس شیر ببر پر حملہ کرنے کی انھیں جرأت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کی بہادری اور درندگی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ گاؤں والوں نے جب ہمیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور ہم سے درخواست

کی کہ کسی نہ کسی طرح اس شیر ببر کا خاتمہ
کر دیں۔ ہم تو گئے ہی تھے وہاں شکار
کے لئے فوراً تیار ہو گئے اور اسی شام کو
میرا دوست اور چند لوگ اس ندی
کے کنارے جا بیٹھے۔ جہاں عورتیں پانی
بھرنے جایا کرتی تھیں۔ ہم نے بندوقیں

تھے کہ اچانک خشک پتوں میں کھڑکھڑاہٹ
ہوئی اور ہم نے دیکھا کہ تیز چاندنی میں نہایت
خوب صورت شیر ببر کھڑا ہے۔ ایک
آدھ منٹ کے لئے اس نے جسم اکڑایا اور
ہمیں دیکھنے لگا۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ
اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہم نے کیسے



بھر لیں اور تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ شاید شیر ببر
کو پتہ چل گیا یا کیا کہ ندی کے کنارے جانا
خطرے سے خالی نہیں وہ اس رات
وہاں نہ آیا۔ دوسری رات بھی اس کا
کہیں پتہ نہ تھا۔ تیسری رات جب ہم میں
سے کچھ لوگ سو گئے تھے اور کچھ اونگھ رہے

کی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور ہم پر
حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔
ثریا:۔ آپ ڈرے نہیں چچا جان۔
چچا جان:۔ ڈرنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ شیر ببر
جلدی میں تھا۔ وہ ذرا آگے بڑھا اور
ہوا میں کود کر ہمارا رخ کیا۔ میں نے اور

میرے دوست نے ایک ساتھ بندوقیں چلادیں۔ یہ زبردست جانور ایک دہاڑ گرج کے ساتھ پیچھے کی طرف آیا اور اگرچہ ہم دونوں ہٹ گئے تھے مگر اس کا ایک پنجہ میری ران میں آلگا۔ اور وہ زخمی ہوگئی یہ زخم بڑی مدت کے بعد جاکر بھرا۔ اس زخم کا مجھے کوئی افسوس نہیں تھا۔ کیونکہ شیر ببر کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

اس شیر ببر کی مادہ یعنی شیرنی بھی بڑی خوفناک تھی۔ شیر ببر کے مرنے کے بعد اب اس نے گاؤں کے آس پاس جانا شروع کیا۔ مگر یہ عورتوں اور بچوں کو نہیں بلکہ مویشیوں کا شکار کرتی تھی۔ اس نے سینکڑوں مویشی مار ڈالے تھے۔ آخر اسی دیہات کے چند شکاریوں نے مل کر اسے مار ڈالا۔ جب وہ ایک مویشی خانے کے پاس بیٹھی مویشیوں کے آنے کی منتظر تھی۔ اس کے مارے جانے پر گاؤں والوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ کیونکہ انھیں اطمینان ہوگیا تھا کہ ان کی عورتیں اور بال بچے اب محفوظ ہیں۔

سہروردی:۔ کوئی اور واقعہ سنائیے چچا جان۔

چچا جان:۔ ایک واقعہ اور بڑا عجیب سا ہے اور یہ مجھے چند عربوں نے سنایا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ یہ بالکل سچا ہے۔ اور یہ ضرور سچا ہوگا۔ کیونکہ عرب بڑے بہادر اور سچے ہوتے ہیں۔ ہاں تو واقعہ یہ ہے کہ کسی پہاڑ کے دامن میں ایک عرب نے اپنا خیمہ لگا رکھا تھا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ چرواہا تھا لہٰذا اسے اپنے گلہ کی بڑی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔ کیونکہ اس پاس کئی قسم کے دشمن تھے۔ ایک مرتبہ اسے ایک دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس کی بیوی اور بچے بڑے پریشان ہوئے۔ کیونکہ ان دنوں راستے میں بہت سے خطرے تھے اور سفر کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ مگر اللہ کے فضل وکرم سے اس عرب کو سفر میں کسی قسم کی تکلیف پیش نہیں آئی واپسی میں بھی اس کا راستہ بڑے مزے سے کٹا۔ مگر جب اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے آپ کو ایک خطرے میں گھرا پایا۔

سفر کی آخری منزل طے کرتے ہوئے اسے امید کے خلاف زیادہ وقت لگ گیا۔ اور شام کے وقت وہ اس جنگل میں پہنچا جو اس کے راستہ میں پڑتا تھا۔ اس جنگل میں بہت سے شیر ببر رہتے تھے اور ...

معلوم تھا کہ شام ہوتے ہی شیر ببر اپنے غاروں سے نکل آتے ہیں۔ اور درختوں کے سایہ میں چھپ چھپا کر اچانک اپنے شکار پر حملہ کر دیتے ہیں۔

جنگل میں بالکل خاموشی تھی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ادھر ادھر کوئی شیر ببر ہی نہیں۔ جب شیر ببر چپکے سے کسی پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ بالکل نہیں گرجتے۔ ہاں اگر وہ گھوڑوں اور مویشیوں کو جو آگ کے پاس بندھے ہوئے ہیں ڈرانا چاہیں تو الگ بات ہے۔ جب اس کا یہ ارادہ ہو تو وہ زمین کے قریب اپنا سر رکھ کر گرجتا ہے اور اس زور سے کہ زمین تھرا جاتی ہے۔ اس آواز سے بہت سے جانور سخت گھبرا جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ شیر ببر کہیں قریب ہی ہے اور وہ مارے ڈر کے بچنے کے لئے اکثر شیر ببر ہی کے پنجوں میں چلے جاتے ہیں۔

وہ عرب جانتا تھا کہ ایک مرتبہ وہ اس جنگل سے گذر گیا تو پھر وہ بالکل محفوظ ہے۔ کیونکہ جنگل کے پرے میدان ہی میدان تھا جہاں شیر ببر نہیں جایا کرتے تھے اس کے مذہب نے اسے سکھایا تھا کہ ڈرنا نہیں چاہئے۔ لہذا بڑی جرأت سے چلا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے بیوی بچے اسے دیکھ کر کس قدر خوش ہوں گے۔ اب رات ہوگئی تھی مگر آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا اور اس کی چاندنی میں راستہ صاف اور روشن تھا۔ ابھی اس نے آدھا جنگل ہی طے کیا تھا کہ ایک آواز سنائی دی اور اس نے دیکھا کہ سامنے تنگ راستے پر ایک بڑا سیاہ سایہ ہے۔

یہ ایک بہت بڑا شیر ببر تھا۔ اس عرب کے لئے دو ہی صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ الٹے پاؤں واپس ہو جاتا مگر اس صورت میں شیر ببر یقیناً اس پر حملہ کرکے اس کی بوٹی بوٹی کر ڈالتا۔ دوسری یہ کہ اسے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا۔ یہ فیصلہ اسے ایک سیکنڈ میں کرنا چاہئے تھا اور اس نے کر بھی لیا۔ وہ بڑی جرأت سے آگے بڑھا اور شیر ببر کے بالکل قریب جاکر زوردار آواز میں کہا "ہٹ جا، میرے آگے سے تمہیں میرا راستہ روکنے کی کیسے جرأت ہوئی۔"

(باقی آئندہ)

ایک ذرا بُری بات

محمد انس صاحب علیگ

لکھنؤ میں ایک حکیم صاحب تھے۔ خدا نے اُن کے ہاتھوں میں شفا دی تھی۔ دور دور سے لوگ علاج کرانے آتے اور بھلے چنگے ہو کر جاتے۔ کیسا ہی مرض کیوں نہ ہو حکیم صاحب کی دوائیں مریض کو تندرست کر دیتیں۔ حکیم صاحب بیچارے بڑے نیک اور رحم دل تھے۔ غریبوں کا علاج اکثر مفت کرتے اور فیس کچھ تو لیتے تھے کہ ان سے ملنے کے بعد دشمن بھی دوست ہو جاتے۔

ویسے تو حکیم صاحب گھر کے اچھے خاصے تھے اور انھوں نے ہزاروں کمائے بھی۔ خدا کے فضل سے کسی چیز کی تنگی نہیں تھی لیکن حکیم صاحب میں ایک بات ذرا بُری تھی۔ جب اُن کے یہاں کوئی مریض آتا تو اُس کا نسخہ وغیرہ لکھ کر اس سے پوچھتے "بھئی تم کام کون سا کرتے ہو؟"

ہر آدمی کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی ہے۔ کوئی ڈاکٹر ہوتا ہے، کوئی وکیل، کوئی کسان، کوئی بڑھئی۔ تو مریض اپنے پیشے کا نام حکیم صاحب کو بتا دیتے تھے۔

اب فرض کیجیے کسی نے کہا "حکیم صاحب میں کنجڑا ہوں۔ سبزیاں بیچتا ہوں" بس حکیم صاحب فوراً کہتے "ارے بھائی ذرا ایک بیس سیر آلو ہمارے یہاں پہنچا دینا۔ روز روز سبزی منگوانے میں بڑی مصیبت ہوتی ہے۔"

اب بے چارہ کنجڑا آلو پہنچا دیتا لیکن حکیم صاحب سے دام کیا مانگے۔ اور حکیم صاحب خود بھولے سے بھی داموں کے متعلق کچھ نہ کہتے۔ وہ بے چارہ صبر کر لیتا کہ چلو حکیم صاحب سے علاج کرا رہا ہوں، بیس سیر آلو تحفے میں سہی۔

اس طرح حکیم صاحب اپنی فیس کے علاوہ کچھ نہ کچھ ہر ایک سے اینٹھ ہی لیتے اور تم جانو یہ تھی اک ذرا بری بات۔

ہوتے ہوتے یہ خبر لکھنؤ بھر میں پھیل گئی کچھ بھانڈوں کو بھی معلوم ہوا۔ اب بھلا بھانڈ اور وہ بھی لکھنؤ کے۔ باتوں باتوں میں آدمی کو

ایسا ذلیل کردیں کہ ذرا سا مُنہ نکل آئے۔

پھر تو بس اُن چار بھانڈوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور ایک دن بھیس بدل کر صبح کے وقت حکیم صاحب کے مطب میں جا دھمکے۔ حکیم صاحب مریضوں کو دیکھتے جاتے اور نسخہ لکھتے جاتے۔ یہ بھانڈ بھی جا کر مریضوں میں بیٹھ رہے۔ جب اُن کی باری آئی تو حکیم صاحب نے ایک کی نبض دیکھی نسخہ لکھا اور پوچھا "آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

پہلے بھانڈ نے جواب دیا "حضور میں درزی ہوں۔"

حکیم صاحب بولے "ارے خوب یاد آیا بھئی ذرا شام کو مکان پر آنا۔ گرمیوں کے دن آگئے ہیں مجھے کوئی دس ململ کے کُرتے سلوانے ہیں۔ کپڑے میں دے دوں گا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی اندر سل جائیں تو اچھا ہو۔"

اس نے "بہت بہتر" کہا۔ اب دوسرے بھانڈ کی باری تھی۔ حکیم صاحب نے نسخہ لکھ کر پوچھا "آپ کیا پیشہ کرتے ہیں؟"

وہ بولا "صاحب میں کمہار ہوں، گھڑے صراحیاں تیار کرتا ہوں۔"

حکیم صاحب بولے "اوہو۔ گرمیوں میں صراحیوں کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ اگر ہو سکے تو کوئی پچاس صراحیاں وہ چار دن میں تیار کرکے دے جائیے گا۔"

اس نے کہا "بہت خوب جناب۔"

تیسرے بھانڈ کا نسخہ لکھ کر حکیم صاحب نے اس سے وہی سوال پوچھا۔

اس نے کہا "بندہ پرور میں دودھ اور مکھن بیچتا ہوں۔"

حکیم صاحب بولے "بھئی آج کل خالص دودھ کی بڑی تکلیف ہے۔ آپ ہی سے ہو سکے گا۔ کوئی پندرہ بیس دن آپ صبح کو دو سیر دودھ پہنچا دیا کیجیے تو بڑی مہربانی ہو۔ لیکن دودھ ہو خالص۔"

اس نے جواب دیا "بالکل خالص ہوگا، آپ اطمینان رکھیے۔"

چوتھے بھانڈ کی باری آئی۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھ کر نسخہ لکھا، پھر پوچھا "آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

اس نے کہا "جناب میں قبریں کھودتا ہوں، اگر آپ کو ...."

سارے مریض مسکرا دئے۔ حکیم صاحب اور دوسرے لوگوں نے جو ذرا غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ چاروں کم بخت بھانڈ ہیں۔ اب تو حکیم صاحب بہت سٹپٹائے۔ اتنے آدمیوں کے درمیان کم بختوں نے رسوا کر دیا۔ لیکن حکیم صاحب بھی تھے ذرا چلتے ہوئے ہوشیار آدمی کہنے لگے "میں... یعنی میرا مطلب یہ کہ آپ آج کل ذرا محنت کم کیا کیجیے۔ آپ کا مرض خطرناک ہے۔"

مزے مزے کے کھیل

مشتاق احمد اعظمی

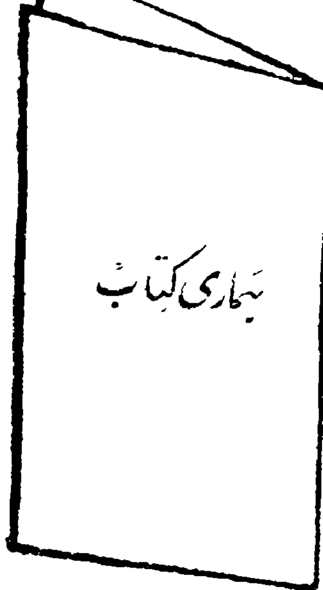
کبھی تم بہت شریر ہوگئے ہو۔ بھائی جان کی کتاب پھاڑ ڈالی۔ اپیا کی کاپی پر دوات انڈیل دی۔ کہیں پنسل مل گئی تو ساری دیوار کالی کردی۔ قلم مل گیا تو زمین پہ رگڑ رگڑ کے نب ہی صاف کردیا

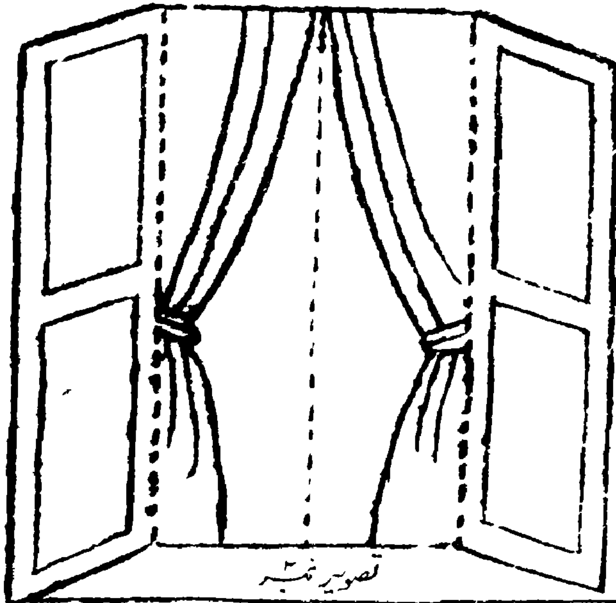
بھلا یہ بھی کوئی کھیل ہے!

آؤ کھیل ہم تمھیں بتائیں۔ بڑے مزے کا بہت دلچسپ۔ نہ قینچی کی ضرورت نہ لئی کی نہ گوند کی بس تھوڑا سا کاغذ لے لو یہی کوئی ۱۰ انچ لمبا چوکور اتنا نہ ملے چار پانچ انچ ہی سہی۔ آٹھ انچ کا غذ ذرا اچھا رہتا۔ مگر لوگے کہاں سے آپا جان یا بھائی جان سے مانگ لینا کہیں اُن سے پوچھے بغیر کاپی میں سے نہ پھاڑ لینا۔ ہاں! ان دونوں کو کبھی غصہ بھی آجاتا ہے۔

ہاں میاں کاغذ مل گیا۔ اب اسے آدھوں آدھ موڑ لو۔ یعنی دائیں طرف سے کاغذ کے دائیں کونے کو بائیں کونے سے ملادو، ملادیا؟ شاباش اب اس پر لکھ دو " ہماری کتاب" اور اسے کھڑا کردو اگر ایسی ہی دو چار کتابیں بنالو تو تمھارا کتب خانہ تو تیار ہوگیا۔

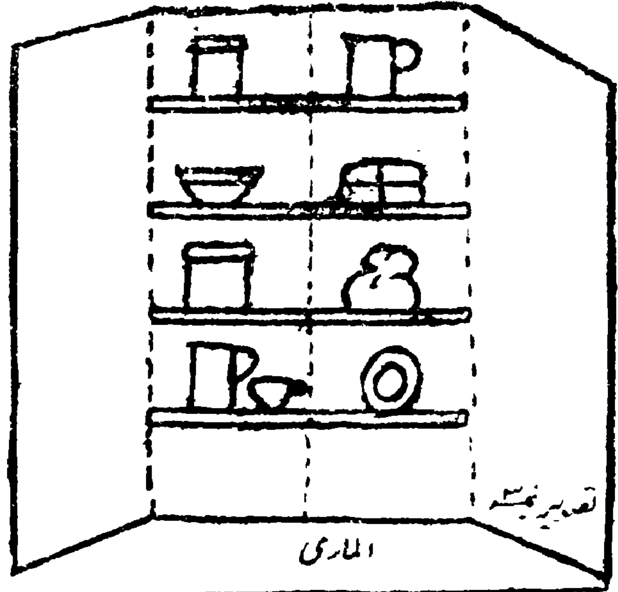
اچھا اب اس کتاب کو ذرا منہ کے بل تو لٹا دو، ارے! یہ کیا بن گیا!! اجی خیمہ





تصویر نمبر ۲

بن گیا خیمہ، یا پھونس کا چھپر سمجھ لو جیسے کسان
کھیتوں میں ڈال نہیں لیتے ہیں؟ اچھا آؤ اس

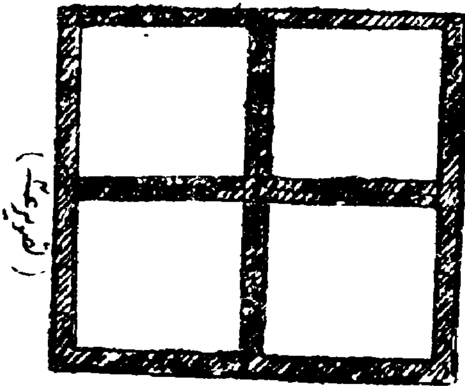


الماری

میں لوٹ پوٹ کے ذرا آرام تو کرلیں

اچھا اب کاغذ کھول ڈالو۔ بیچوں بیچ ایک
نشان تو پڑا ہی ہوا ہے، اس نشان کا بائیں طرف والا
حصہ پھر آدھوں آدھ موڑ لو۔ یعنی بائیں طرف کے
دونوں کونے ٹھیک بیچ کے نشان پر پڑیں، دائیں
طرف والا حصہ بھی اسی طرح مڑے گا۔ دونوں طرف
سے موڑ لیا؟ اچھا تو اب کھول ڈالو، کاغذ پر تین لمبے
لمبے نشان پڑ گئے۔ کیوں پڑ گئے نا؟ اب اپنی
پنسل سے جس طرح تصویر میں لکیریں بنی ہوئی
ہیں تم بھی اپنے کاغذ پر بنا لو اہا بھئی یہ تو کھڑکی بن
گئی پر دوں سمیت، ذرا اس کے دوسری طرف جھانک
کے تو دیکھنا۔ تصویر نمبر ۲

اب اسی تصویر میں پنسل سے تین چار دوہری
لکیریں اور ڈال لو۔ ارے! یہ کیا بن گیا!! یہ تو
الماری بن گئی اس الماری میں جی چاہے تو کچھ
چیزیں بھی رکھ لو تصویر نمبر ۳۔ کچھ اور بنانا چاہتے ہو؟
اچھا تو ایک چوکور کاغذ اور مانگ لو۔ اسے آدھوں آدھ موڑ لو۔
موڑ لیا۔ اچھا اب پھر آدھوں آدھ موڑ لو۔ چوڑائی
میں نہیں لمبائی میں۔ اب کاغذ کو کھول لو۔ کیوں بن گئے نا؟
چار خانے تو بھئی یہ تمھاری کھڑکی کے چاروں شیشے
ہو گئے۔ ان نشانوں پر پنسل سے رنگ دو بس ایسا
معلوم ہوگا جیسے شیشے لکڑی فریم میں جڑے ہوئے ہیں



(کھڑکی)

کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو بھائی جان سے
پوچھ لینا۔ وہ نہ بتائیں تو آپا جان سے پوچھ لینا وہ
بھی انکار کر دیں تو امی یا ابا سے پوچھ لینا ہمارے
خیال میں تو ہر ایک تمھاری مدد کرے گا اور کیا
عجب جو تمھارے کھیل میں شریک بھی ہو جائے۔

پیام برادری

پیاری بچیو اور بچو خوش رہو اور تندرست - ہاں بھئی پیام تعلیم آخر نکل ہی گیا تمھارے دل ہوتے جلنے کیا کیا شبہے پیدا ہو رہے تھے اب تو یہ انشاء اللہ نکلا ہی کرے گا بلکہ ہم تو اسے اور ترقی دینے کی تجویزیں سوچ رہے ہیں یہ پرچہ بھی تمھیں پہلے سے زیادہ دلچسپ معلوم ہوا ہوگا - یہ دلچسپیاں اللہ نے کیا تو بڑھتی ہی جائیں گی -

پچھلے پرچے میں ہم نے تمھیں بتایا تھا کہ مسٹر چرچل انگریز وزیر اعظم روس گئے ہوئے ہیں - اب یہ وہاں سے واپس آگئے ہیں اور انھی کے بیان کے مطابق ان کا یہ سفر اچھا خاصا کامیاب رہا - جرمنی چاہتا تھا انگریزوں اور روسیوں میں کسی طرح پھوٹ پڑ جائے - ریڈیو کے ذریعے اور مختلف ذریعوں سے برابر اس بات کی کوشش کی جا رہی تھی مگر جرمنی کی یہ اُمیدیں پوری نہیں ہوئیں - برخلاف اس کے ان دونوں میں اتحاد اور اتفاق اور بھی بڑھ گیا -

مگر ایک مسئلے میں ان دونوں حکومتوں یعنی برطانیہ اور روس میں سمجھوتہ نہ ہو سکا - یہ پولینڈ کا مسئلہ ہے - تمھیں تو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۹ء میں جرمنی پولینڈ سے کچھ علاقہ مانگ رہا تھا - پولینڈ نے انکار کیا - ادھر برطانیہ اور فرانس نے کہا کہ اگر جرمنی پولینڈ سے زبردستی اس کا علاقہ چھینے گا دونوں حکومتیں پولینڈ کا ساتھ دیں گی اور جرمنی سے لڑیں گی - جرمنی نے نہ مانا پولینڈ پر حملہ کر دیا - پولینڈ ہار گیا اور اس کی حکومت بھاگ کر لندن چلی گئی اور گویا وہیں سے حکومت کرنے لگی - برطانیہ کے نزدیک پولینڈ کی باقاعدہ قانونی حکومت یہی تھی -

پھر لڑائی کا پانسا پلٹا - اب کے روس کی باری تھی - اس نے پولینڈ کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا - یہی نہیں وہاں اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک حکومت بھی بنا لی - اب کھینچا تانی اس بات میں ہے کہ پولینڈ کی باقاعدہ حکومت کون سی ہے وہ جو لندن میں بیٹھی حکومت کا کام چلا رہی ہے یا روس کی بنائی ہوئی حکومت -

روسی مشرقی پروشیا میں بہت دور تک گھس آئے ہیں - دوسری طرف ہنگری میں بہت سخت لڑائی جاری ہے - اور روسیوں کا خیال ہے کہ وہ بہت جلد ہنگری کو فتح کر لیں گے - ایک ذمے دار روسی افسر نے بیان دیا ہے کہ روسی ایک طرف سے

بڑھ رہے ہیں اور امریکی و انگریزی فوجیں دوسری طرف سے۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ دونوں فوجیں جرمنی میں آکر مل جائیں گی۔ اور یہ دن زیادہ دور نہیں۔

انگریزی اور امریکن فوجیں ہالینڈ کے جنوب مغرب اور خود جرمنی میں کچھ نہ کچھ آگے قدم بڑھا رہی ہیں۔ ایک تو موسم کی خرابی کی وجہ سے دوسرے جرمن فوجوں کے سخت مقابلے کے سبب اتحادی حملوں میں پہلی سی تیزی نہیں رہی ہے۔ ابھی ابھی تھوڑے دن ہوئے چرچل کا ایک بیان بھی چھپا ہے اس میں انھوں نے امید ظاہر کی ہے کہ آیندہ گرمیوں تک جرمنی ہار جائے گا۔

ترکی اور سوئٹزرلینڈ کی طرح اسپین کا ملک غیر جانب دار ہے۔ مگر وہاں موجودہ حکومت اور جمہوریت پسندوں میں آپس میں جھڑپ ہوگئی ہے۔ اسپین کی سرحد پر ان دونوں میں بہت زوروں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ جمہوریت پسندوں کا خیال ہے کہ جنرل فرانکو کی حکومت اب چند دن کی مہمان ہے۔

کچھ عرصے سے لوگ اٹلی کی لڑائی کو کچھ بھول سے گئے ہیں حالانکہ وہاں بھی اتحادیوں کو جرمنوں کے مقابلے میں کچھ کم دقتیں پیش نہیں آ رہی ہیں۔ موسم کی خرابی کا اثر وہاں بھی ہو رہا ہے۔ اصل میں جرمن جنرل یہ چاہتا ہے کہ لڑائی کا سامان جتنا بھی دشمنوں کے ہاتھ سے بچ سکے بچالے۔ اسی لئے وہ بہت آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔

بحر الکاہل میں فلپائن کی لڑائی بہت شدت سے جاری ہے۔ جنرل میک آرتھر کی فوج نے فلپائن کی بہت سی اہم جگہوں پر قبضہ کر لیا ہے اس لڑائی میں جاپان اپنے تین سمندری بیڑے مقابلے میں لے آیا تھا امریکہ کا بیان ہے کہ ان سمندری بیڑوں کو امریکہ نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ برما کے محاذ پر بھی اتحادی فوجیں برابر آگے ہی بڑھ رہی ہیں۔

ہندوستان کے حالات میں کوئی خاص بات نہیں پیدا ہوئی ہے۔ مہاتما گاندھی نے عام لوگوں کی خدمت کے سلسلے میں ایک پروگرام بنایا ہے۔ کانگرسی چرخہ سنگھ والے تعلیمی سنگھ والے سب مل کر اس کام کو چلائیں گے۔ مہاتما گاندھی اپنے روزے کے بارے میں بھی ایک بیان شائع کرنے والے ہیں۔

نئی دہلی میں اسمبلی کے اجلاس شروع ہوگئے ہیں پچھلے اجلاس کی طرح اب کے بھی کانگرسی ممبر اسمبلی کی کارروائیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔

(محمد حسین حسان)

جانورستان۔ اس میں جانوروں کے ظاہر و باطن پر
نہایت پیاری زبان میں روشنی ڈالی ہے۔ از مولینا
محمد حسین آزاد۔ قیمت ۱۰؍

نصیحت کا کرن پھول۔ تعلیم و تربیت پر ایک سچا اور
پرتاثیر افسانہ۔ از مولانا محمد حسین آزاد قیمت ۸؍

بازیچہ۔ اپنے ملک میں استعمال ہونے والی سب سواریوں
کے دلچسپ حالات۔ قیمت ۴؍

محبت کا پھول۔ ملک نسنگ کی شہزادی کے بیاہ کا دلچسپ
قصہ۔ از حضرت آغا شاعر صاحب۔ قیمت ۵؍

پر پرواز۔ ایک چالباز مور کا بے پروا کبوتر کے ساتھ
مقابلہ۔ قیمت ۵؍

آسمانی دولھا۔ چاند، سورج، سیاروں اور ستاروں
کے دلچسپ حالات۔ قیمت ۱۲؍

آویزہ گوش۔ دلچسپ و دل آویز کہانیوں کا مجموعہ۔ از
حضرت آغا شاعر۔ قیمت ۸؍

ملا دو پیازہ۔ شہنشاہ اکبر کے دربار کے دو بھولوں راجہ
بیربر اور ملا دو پیازہ کے دلچسپ حالات۔ قیمت ۴؍

غنچہ حکمت۔ چھوٹے بچوں کے لئے عقل و حکمت کے موتی
مزیدار کہانیوں کے پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ ۵؍

قیدی شیر۔ ایک نادان، فضول خرچ شیر کی
کہانی۔ قیمت ۸؍

ایک آنہ لائبریری

جادو کا شیشہ۔ کلکتہ، بمبئی وغیرہ کا مختصر حال نئے انداز
میں۔ قیمت ۱؍

جادو کا کوا۔ چار بہت دلچسپ کہانیاں ″ ۱؍

مصطفےٰ کمال۔ غازی مصطفےٰ کمال کا حال بالکل نئے انداز
میں۔ قیمت ۱؍

کالو کی چالاکی۔ چھوٹے بھائی نے کس طرح اپنے بھائیوں کا
بدلہ لیا قیمت ۱؍

یہاں اور وہاں اور تین دلچسپ کہانیاں۔ ″ ۱؍

کیتلی کا دیو ″ ″ ″ ″ ″ ۱؍

عبدالحق اکیڈمی، حیدرآباد

لاڈلا اکبر۔ شجاع احمد فائکی ۸ دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ۔ قیمت ۱۰؍

سادہ زندگی ″ ″ کا ایک ڈراما ″ ۴؍

پڑوسی ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۳؍

چھومنتر کا دھاگا ″ ″ ″ ″ ۴؍

سمندری جہاز ″ ″ ″ ″ ۴؍

چھتری فوج۔ قصے کے انداز میں ہوائی چھتری
کا حال قیمت ۳؍

جنگ کے بعد کیا ہوگا۔ بہت دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ ۳؍

مکتبہ جامعہ۔ دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی

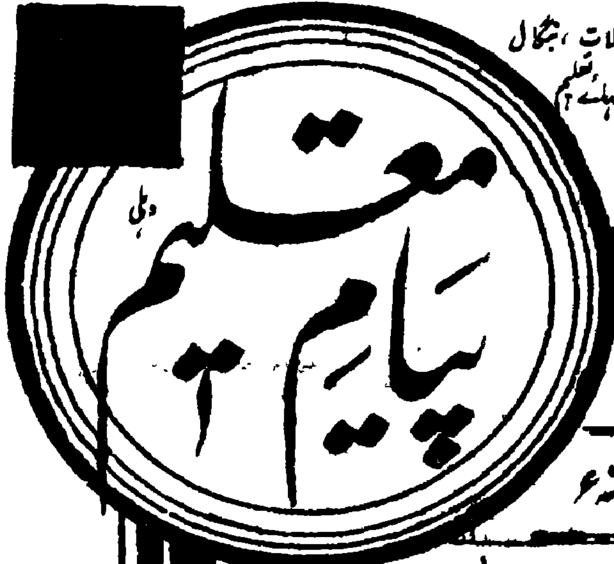
نمبر اپریل ۱۹۶۱

پیام تعلیم





مکتبہ جامعہ دہلی



پیام تعلیم:۔ دہلی۔ یوپی، سی پی، برار، میسور، رام پور، قلات، بنگال
حیدرآباد سندھ، کشمیر، پنجاب، بہار اور سرحد کے محکمۂ تعلیم
کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔

ایڈیٹر:۔
محمد حسین حسان

جلد ٢٧ | نمبر ٣

فہرست مضامین۔ دسمبر ١٩٤٤ء

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ محبوب المطابع پریس، دہلی

قیمت سالانہ ۲؎

نمونے کا پرچہ ۳؍

FIROZE — 44.

ننھی سی باتیں

(ایڈیٹر)

اس پرچے کے آخر میں پیامِ تعلیم کی قیمت کے بارے میں ایک اعلان ہے اسے ذرا غور سے پڑھنا۔ لڑائی کی وجہ سے قریب قریب سبھی پرچوں کو مشکلیں پیش آئی ہیں پیامِ تعلیم کا حال تو تھوڑا بہت تمھیں بھی معلوم ہے۔ انھی مشکلوں کی وجہ سے بہت سے پرچوں نے یا تو اپنے صفحے گھٹا دیے یا پھر قیمتیں بڑھا دیں۔ ہمارے سامنے بھی قیمت بڑھانے کا سوال اکثر آیا مگر ہم برابر یہی کوشش کرتے رہے کہ جہاں تک بنے تمھیں رسالہ لڑائی سے پہلے کے داموں پر ملتا رہے۔ مگر اب مجبوریاں کچھ ایسی پیش آگئی ہیں کہ قیمت بڑھائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

ہم نے پچھلے پرچوں میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ۲۵ سالہ جوبلی کا ذکر کیا تھا۔ یہ جوبلی ۱۹۴۶ء کے شروع میں منائی جائے گی۔ غالباً مارچ میں۔ جامعہ میں تو اس کی تیاریاں ابھی سے شروع ہو گئی ہیں۔

اس موقع پر پیامِ تعلیم کا بھی خاص نمبر نکلے گا ہم نے اس کے بارے میں تمھاری رائیں بھی مانگی تھیں یہ بھی پوچھا تھا کہ اس موقع پر تم اپنی یا پیامِ تعلیم کی طرف سے جامعہ کو کیا تحفہ دو گے۔ تمھارے جواب کا ہم ابھی تک انتظار کر رہے ہیں۔

بعض پیامی ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت پورا پتہ نہیں لکھتے۔ جواب دینے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ منیجر کو خط لکھتے وقت تو نمبر خریداری لکھنا کافی ہے۔ مگر ہمیں تو تم اپنا پورا پتہ لکھا کرو۔ اس کے علاوہ کوئی بات پوچھنے کی ہو تو خط جوابی آنا چاہیے۔

اس پرچے میں تین نئے مضمون چھپے ہیں۔ (۱) کالی ماکو پینڈا (۲) چیونٹی کی ایک عجیب خاصیت (۳) ابوالہول کے بنانے والے ہمیں اُمید ہے کہ یہ تینوں تمھیں بہت پسند آئیں گے۔

عید کا ترانہ

محمد شفیع الدین نیّر

ہر شخص شاد شاد ہے، ہر سو خوشی خوشی
ہر فرد بامُراد ہے ہر سمت خرّمی
چہروں پہ روشنی ہے تو ہونٹوں پہ ہے خوشی
ہے کھل گئی نشاط کی ہر دل میں اک کلی

باغِ جہاں میں آج ہے شادی رچی ہوئی
عید الضحیٰ کی دھوم ہے گھر گھر مچی ہوئی

بچّے تو بچّے آج بڑے بھی نہال ہیں
فکریں دِنوں سے دُور ہیں غم پائمال ہیں
خورسند شرق و غرب و جنوب و شمال میں
خوشیاں ہیں وہ جو آپ ہی اپنی مثال ہیں

باغِ جہاں میں آج ہے شادی رچی ہوئی
عید الضحیٰ کی دھوم ہے گھر گھر مچی ہوئی

سب روزِ عید اُٹھ کے سویرے نہائیں گے
کپڑے بدل کے عطر میں اُن کو بسائیں گے
پھر عید گاہ شوق سے خوش ہو کے جائیں گے
پڑھ کر نمازِ عید ملیں گے ملائیں گے

باغِ جہاں میں آج ہے شادی رچی ہوئی
عید الضحیٰ کی دھوم ہے گھر گھر مچی ہوئی

گھر آ کے خوب عید کی دعوت اُڑائیں گے
ہم چٹ پٹے کباب مزے لے کے کھائیں گے

گھر پر جو لوگ آئیں گے اُن کو کھلائیں گے ❊ بازار سے مٹھائیاں اور پھل منگائیں گے

باغِ جہاں میں آج ہی شادی رچی ہوئی
عیدالضحیٰ کی دھوم ہی گھر گھر مچی ہوئی

اللہ کی نگاہ میں جو باوقار ہی ❊ اللہ کے ذبیح کی یہ یادگار ہی
اسلام وہ کہ جان بھی جس پر نثار ہی ❊ اسلام کا یہ عید بھی اچھا شعار ہی

باغِ جہاں میں آج ہی شادی رچی ہوئی
عیدالضحیٰ کی دھوم ہی گھر گھر مچی ہوئی

دل پر کسی سے میل بھی گر ہو تو بھول جائیں ❊ خوشیوں کا دن ہی آج یہ آؤ خوشی منائیں
یک دل بنیں، پیامِ اخوت کو آزمائیں ❊ مل کر گلے، گلے جو ہوں آپس کے سب مٹائیں

باغِ جہاں میں آج ہی شادی رچی ہوئی
عیدالضحیٰ کی دھوم ہی گھر گھر مچی ہوئی

اسلام کا جہاں میں قائم ہو احترام ❊ دیتی ہی آ کے عید یہ ہر مرتبہ پیام
مسلم ہوں شاد کام رہیں بن کے نیک نام ❊ اس دین کو نصیب ہو آزادی دوام

نیّر نئے سرے سے ہو شادی رچی ہوئی
عیدالضحیٰ کی دھوم ہو گھر گھر مچی ہوئی

ذبیح سے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ مراد ہیں۔ جب آپ نے والد حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے سنا کہ اللہ تعالےٰ آپ کی جان کی قربانی چاہتا ہی تو آپ خدا کی خوشنودی کے لیے اپنی قربانی دینے پر بخوشی تیار ہو گئے۔ مگر یہ صرف آزمائش تھی۔ آپ اس آزمائش میں پورے اُترے۔ اسی قربانی کی یاد میں مسلمان آج تک جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ ہی کہ خدا کی رضا جوئی کے لیے مسلمان ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہی۔ نیّر



کالی ماکوینڈا

محمد حسین حسّان

آؤ آج تمھیں افریقہ کے ایک لڑکے کی کہانی سنائیں نام بھی بتادیں؟ بھئی بہت لمبا سا نام ہے۔ ویسے تو افریقہ میں ہر نام کے کچھ نہ کچھ معنی ضرور ہوتے ہیں مگر یہ تو کچھ عجیب ہی سا ہے۔ اس کے معنی معلوم کرنے کی میں نے بہت کوشش کی مگر بھئی مجھے تو کامیابی ہوئی نہیں۔ پھر بھی یاد ہمیشہ رہا ایک تو یہ یوں بھی مجھے دلچسپ بلکہ یوں کہو کر بہت اچھا لگا دوسرے جن ننھے میاں کا یہ نام ہے اُن کی باتیں کچھ انوکھی سی ہیں۔

اچھا اب ذرا کہو تو اپنی زبان سے کالی ماکوینڈا کالی ماکوینڈا۔ اہا دیکھو زبان کیسی لکنت کرتی ہے۔ ذرا چپکے ہی چپکے کہنا کوئی دوسرا سن لے گا تو تمھیں جانے کیا سمجھنے لگے گا) اسے یاد رکھ سکتے ہو؟ ہاں ہاں نہیں رکھ سکتے۔ لیکن دن میں بار بار یہی نام تمھارے سامنے لیا جائے تو؟ اچھا ان قصوں کو چھوڑو۔ اب تم ان ننھے میاں کے کارنامے سنو۔

روڈیشیا افریقہ میں ایک بہت بڑا علاقہ ہے۔ یہاں میرے ایک دوست کا فارم تھا اور کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ ایک بار میں چند دوستوں کے ساتھ یہاں آیا اور بہت دنوں تک ٹھہرا رہا فارم شہر سے دور بہت دور بالکل جنگل میں تھا۔ فارم میں کھیتی باڑی، اناج بونا کھیتوں کو پانی دینا اُن کی رکھوالی کرنا۔ فصل پک جائے تو اُسے کاٹنا غرض یہ سب کام وہاں کے افریقی ہی کرتے تھے۔ فارم میں بہت سی گائیں بھی پلی تھیں۔ ان کی رکھوالی بھی انھی کے ذمّے تھی۔ دودھ بھی وہی دوہتے تھے۔

ہندوستان کے ننھے چرواہوں کی طرح

افریقہ میں بھی گائے بیل لڑکے ہی چراتے ہیں۔ چرواہا سویرے ہی سویرے ان گایوں کو چرانے لے جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک خوب صورت سا سانڈ بھی تھا۔ بہت شاندار۔ سفید رنگ

اس کی آنکھیں بہت خوفناک تھیں۔ ان سے بس شرارت ہی ٹپکتی تھی۔ کچھ اس انداز سے دیکھتا تھا جیسے کہہ رہا ہو ذرا ٹھہرئے، دیکھئے میں آپ کو کیسا دوڑاتا ہوں یا دیہاتیوں کی زبان میں کیسا



خوب چمکیلا۔ جگہ جگہ بڑے بڑے کالے دھبے پڑے ہوئے۔ سینگوں پر جیسے کسی نے پالش کر دی ہو۔ وہ انھیں درختوں سے رگڑتا جو رہتا تھا۔ نتھنوں میں تانبے کا ایک چھلا بھی تھا یہ دھوپ میں خوب جھل جھل کرتا تھا جیسے سونے کا۔ اپنے گلّے میں تھا بھی تو سب سے بڑا۔ مگر بھی

رپٹاتا ہوں اور یہ خالی خولی مذاق نہیں تھا سانڈ صاحب یہ حرکت اکثر کر گذرتے تھے۔ کبھی کبھی تو بے چارے چرواہے ایسا بھاگتے تھے کہ بس بھاگ ہی جاتے تھے۔

ایک دن، ہم سب، فارم کے بنگلے میں بیٹھے اسی سانڈ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ سچ مچ ایک مصیبت بن گیا

تھا۔ کوئی چرواہا اس کی رکھوالی کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا تدبیر کی جائے۔ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک نوکر نے فارم کے مالک سے آکر کہا: "جناب ایک لڑکا آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس سانڈ کی رکھوالی میرے سپرد کر دی جائے" فارم کے مالک کو کچھ تعجب سا ہوا۔ اس نے کہا: "اچھا بلا تو لاؤ۔ دیکھیں تو کون صاحبزادے ہیں"

چرواہے کا کام عام طور پر بارہ، تیرہ برس کے لڑکے کرتے ہیں۔ ہم سب یہی سمجھ رہے تھے کہ اتنی ہی عمر کا کوئی لڑکا ہوگا۔ مگر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ننھے میاں اندر تشریف لا رہے ہیں۔ سب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کوئی چھ، سات برس کی عمر ہوگی۔ بالکل ننگے منگے۔ بس کمر میں ایک دھجی لپٹی ہوئی، فارم کے مالک نے پوچھا: "کیوں میاں تم کہاں سے آئے ہو؟"

لڑکے نے کھڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہا:

"اس طرف سے بہت دور جگہ ہے"

"اور بھئی کس لئے آئے ہو؟"

"میں نے آپ کے بڑے سے سانڈ کی باتیں سنی تھیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی رکھوالی آپ میرے سپرد کر دیجئے"

ننھے میاں کا یہ جواب سن کر ہم سب نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ قریب قریب سبھی مسکرا رہے تھے۔ فارم کے مالک نے پوچھا "اور بھئی تمھاری عمر کیا ہوگی؟"

لڑکے نے داہنا ہاتھ اٹھایا اور اس کی پانچوں انگلیاں کھول دیں۔ پھر دوسرے ہاتھ کی تین انگلیاں دکھائیں۔ اور آہستہ آہستہ گننے لگا۔ "ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات آٹھ"

فارم کے مالک نے ذرا زور سے کہا: "کل آٹھ برس ———— ؟ بھئی تم تو بہت چھوٹے ہو۔ میرے ہاں بھیڑیں اور مرغیاں بھی پلی ہیں۔ بس انھی کو چرا چگا لیا کرو۔ یہ کام زیادہ آسان ہوگا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

لڑکا خوب اکڑ کر اور خوب تن کر بولا:

"نہیں جناب! میں چھوٹا لڑکا نہیں ہوں میں تو پورا آدمی ہوں۔ بھیڑیں اور بکریاں تو میں نے بہت دنوں تک چرائی چگائی ہیں۔ اب تو میں اس خوب صورت سانڈ کو چرانا چاہتا ہوں۔"

"اچھا اپنا نام تو بتاؤ"

"کالی ماکو ینڈا"

"بھئی تم خود تو اتنے چھوٹے ہو اور تمھارا نام اتنا بڑا ہے! اور میاں تمھاری ہمت اور حوصلہ تو اس سے بھی بڑا معلوم ہوتا ہے۔ خیر، اچھی بات

بچّہ تم ایک ہفتے تک ہمارے جمعدار کے ساتھ کام کرو۔ اس کے بعد ہم سوچیں گے کہ تم ہمارے سانڈ کی کوئی جوکھم اُٹھائے بغیر رکھوالی کر سکتے ہو۔ تمھاری عمر ابھی بہت ہی کم ہے۔"

ایک ہفتے کے بعد جمعدار نے بتایا کہ حضور گایوں وغیرہ کی رکھوالی کے معاملے میں اس لڑکے کی سوجھ بوجھ اس کی عمر سے کہیں زیادہ ہے۔ اور سانڈ کی باتوں کو تو اتنا سمجھتا ہے کہ میں بھی نہیں سمجھتا۔ آپ اطمینان رکھیے یہ سانڈ کو بہلا لے گا اور اُسے کوئی جوکھم نہیں پہنچے گی۔ ایسا سمجھ دار لڑکا میں نے عمر میں پہلی بار دیکھا ہے۔ آپ اسے جانے نہ دیجیے۔

غرض فارم کی اس چھوٹی سی دنیا کا یہ سب سے اہم کام جناب کالی ماکو ینڈا صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ لوگوں کو اس بات پر بڑا تعجب تھا کہ یہ بچّہ سانڈ سے بالکل نہیں ڈرتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ خود سانڈ صاحب کالی ماکو ینڈا سے ہل مِل گئے تھے۔ دونوں اکثر اکٹھے رہتے تھے اور ننّھے میاں کی اکثر سانڈ سے باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ یہ اسے ابّا بلکہ اکثر بڑے ابّا کہہ کر پکارتے تھے۔ ہوتے ہوتے فارم میں ہر کوئی انھیں بڑے ابّا ہی کہنے لگا۔ مثلاً "بڑے ابّا کا مزاج آج کچھ تیز معلوم ہوتا ہے۔" یا "آج دوپہرے بڑے ابّا کا دماغ کچھ کچھ ٹھیک ہے۔"

بڑے ابّا کی گردن سے زنجیر کھولنا بڑی ہمت کا کام تھا۔ مگر کالی ماکو ینڈا صاحب روزانہ صبح کو یہ کام بہت اطمینان سے انجام دیتے تھے۔ میں نے کئی بار یہ تماشا دیکھا ہے۔ ننّھے میاں اپنی پتلی سی آواز میں کہہ رہے ہیں "ہاں بڑے ابّا ذرا گردن نیچی کیجیے میں آپ کی زنجیر کھول دوں۔ ہاں ذرا اور نیچی ذرا اور بڑے ابّا۔ بھلا اتنی اونچائی تک میرا ہاتھ کیسے پہنچ سکتا ہے۔" اور بڑے ابّا ہیں کہ برابر اپنی گردن نیچی کیے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کالی ماکو ینڈا کا ہاتھ اُن کی گردن تک پہنچ گیا اور زنجیر کھڑکھڑا کے نیچے گر گئی۔

شام کو مویشیوں کے لوٹنے کا وقت ہوتا۔ اکثر کچھ فاصلے پر بڑے ابّا کے ڈکرانے کی آواز سنائی دیتی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بڑے ابّا گھر آنے پر راضی نہیں اور سخت ناراض ہیں۔ ایسی حالت میں کوئی شامت کا مارا اُن کے سامنے آ جائے پھر دیکھیں۔ اُن کے حملے سے کیسے بچتا ہے۔ یہ وقت بڑا نازک ہوتا تھا ہم لوگ جلدی سے یا تو کسی مضبوط دروازے کے کمرے میں چھپ جاتے تھے یا کسی درخت پر چڑھ جاتے تھے اور وہاں سے تماشا دیکھتے تھے۔ (انگریزی سے)

(باقی آئندہ)

معمّا

عبدالصمد نادر بمبئی

چار گھوڑے بندھے ہوئے تھے کہیں

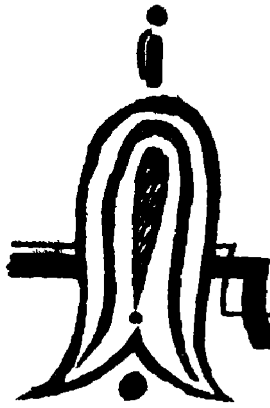
ایک کا مُنہ تھا جانبِ مشرق
دوسرے کا تھا جانبِ مغرب
تیسرے کا شمال کی جانب
اور چوتھے کا مُنہ جنوب میں تھا
بیچ میں اُن کے گھاس رکھی تھی
بے تکلف وہ جس کو کھاتے تھے
گھوم کر کوئی کھا نہ سکتا تھا
اور گردن نہ موڑ سکتا تھا
کیا بتا سکتا ہے کوئی بچہ
بے تکلف وہ کیسے کھاتے تھے

شرط یہ ہے کسی سے مت پوچھو

لطیفہ

رات کو جا رہا تھا اک اندھا
سر پہ مٹکا تھا ہاتھ میں تھا دیا
ایک لڑکے نے یوں سوال کیا
آپ کو جب نظر نہیں آتا
کیا ضرورت تھی اس چراغ کی پھر
کچھ سمجھ میں مری نہیں آیا
ہنس کر اندھے نے یہ کہا بچے
آنکھ والوں کے واسطے ہے دیا

اس اندھیرے میں مجھ سے ٹکرا کر
توڑ ڈالیں نہ وہ مرا مٹکا



چیزوں کی ایک عجیب خاصیت

محمد انس، علی گڑھ

"ذکیہ تمھیں معلوم ہے میری کتاب؟" باسط میاں نے پوچھا۔

"بھلا مجھے کیا خبر"

"تم جانتی ہو ریحانہ میری کتاب کیا ہوئی؟"

"جی نہیں۔ میں تو بڑی دیر سے عقیلہ آپا سے باتیں کر رہی تھی۔ میں تو گئی بھی نہیں آپ کے کمرے کی طرف۔ ریحانہ نے صفائی پیش کی۔

"سعید ——— سعید" باسط میاں گلا پھاڑ کر چیخے۔

"جی" سعید دوسرے برآمدے سے بولے

"میری کتاب کہاں ہے" برآمدے میں آتے ہوئے باسط میاں نے کہا۔

"کیسی کتاب؟"

"کتاب کیسی ہوتی ہے" باسط بگڑ کر بولے، جلدی بتاؤ۔ مجھے اسکول جانے میں دیر ہو رہی ہے"

چچی جان بولیں "آخر کون سی کتاب تھی۔ انگریزی، اردو، فارسی، کچھ بتاؤ تو معلوم ہو اس طرح چیخنے سے تو تمھاری کتاب ملنے سے رہی"

"جغرافیے کی تھی" باسط میاں نے تنک کر کہا سعید، تم بولتے کیوں نہیں جی؟ مجھے دیر ہو رہی ہے اور تم چپ سادھے بیٹھے ہوئے ہو"

"کہا تو میں نے کہ مجھے نہیں معلوم" سعید نے کہا۔

"تمھیں نہیں معلوم تو آخر کسے معلوم ہوگا" باسط میاں اور جھلا گئے۔

"تمھی تو ہر وقت گھسے رہتے ہو میرے کمرے میں۔ جانے میری کتابیں گڈمڈ کرنے میں تمھیں کیا ملتا ہے۔ پچاس مرتبہ منع کیا کہ میری کتابیں نہ چھوا کرو۔ مگر کوئی بھلا آدمی ہو تو بات مانے۔ اور پھر بھی جب تمھاری سمجھ میں بھی نہیں آتیں تو میری کتابوں سے تمھیں کیا واسطہ۔ صرف تصویریں دیکھنے کے لئے تم میری کتابوں کے درپئے رہتے ہو۔ اگر کہیں تمھاری سمجھ میں آنے لگ جائیں تو اللہ جانے تم میری کتابوں کا کیا حشر کرو۔"

اور پھر باسط میاں بھنّاتے ہوئے تیر کی طرح کمرے میں پہنچے۔ بس قیامت آ گئی۔ کرسی اُلٹ گئی۔ میز کو جو ٹھوکر لگی تو قلم دان نیچے آ رہا۔ کتابیں اُٹھا اُٹھا کر پھینکی جانے لگیں۔ گلدستے کے پھول دان سے لڑھک کر بوتوں کی قطاروں میں جا گرے لیکن کمبخت کتاب کو نہ ملنا تھا نہ ملی۔ مزاج کا پارہ اور اوپر چڑھ گیا۔ کتابیں سنبھال اسکول کا راستہ لیا۔ لیکن جاتے جاتے بولے "اماں بی۔ یہ آپ سعید کو منع کر دیں۔ اب اگر میں نے اُن کو اپنے کمرے میں دیکھا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

"کیا ہوا؟"

"ہوا کیا۔ میری کتاب کا پتہ نہیں۔ زمین کھا گئی کہ آسمان ہڑپ کر گیا۔ جن بھوت اُٹھا نہیں لے گئے۔ خود سے کہیں اُڑ نہیں گئی۔ بس آپ سعید کو سمجھا دیجئے ورنہ پھر مجھ سے بُرا نہ ہوگا۔"

بھابی جان، پاس ہی بیٹھی تھیں، بولیں، "ارے بھائی سنا ہے کہ اچھی اچھی کتابیں اکثر جنات وغیرہ پڑھنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ مجھے تو کسی پڑھے لکھے جنات کا کام معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی سنا ہے کہ ایسی کتابیں واپس مل جایا کرتی ہیں تم ذرا دو چار دن صبر کرو۔ شاید جنات صاحب واپس دے جائیں۔"

میں نے کہا "خواہ مخواہ ہی بے چارے کے زخموں پر نمک چھڑکتی ہیں۔ جاؤ بھئی باسط میاں تمھیں دیر ہو رہی ہے۔ واپس آ کر شام کو تلاش کر لینا۔"

اور باسط میاں اسکول چلے گئے۔

سارا دن گزر گیا۔ سورج ڈھل گیا۔ شام ہونے کو آئی۔ میں صحن میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ باسط، عزیز اور زبیر اسکول سے واپس آ کر ہاتھ منہ دھو رہے تھے۔ میں بھانپ گیا کہ باسط میاں کا غصہ ابھی اُترا نہیں ہے۔ میں نے سوچا یہ تو کچھ ٹھیک بات نہیں کہ حضرت یوں منہ پھلائے رہیں، کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ اتنے میں فریدہ نے آ کر کہا "چائے بن گئی ہے۔ آپ لوگ ابھی پی لیں نہیں تو ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

ہم سب چائے پی چکے تو میں نے پوچھا "دریا کے کنارے سیر کے لئے کون چلتا ہے؟"

عزیز کہنے لگے "آج تو ہم لوگ ٹہلنے جائیں گے نہیں۔ آج کیرم ہوگا۔"

پھر میں نے سوچا کہ اکیلے ٹہلنے جانے سے کیا فائدہ۔ اس لئے میں نے تو اخبار سنبھالا اور اپنی کرسی پر جا ڈٹا اور عزیز، زبیر، باسط اور سعید نے وہیں صحن میں تپائی اور اس کے اوپر چاجم بچھا کر کیرم کھیلنا شروع کیا۔

کچھ دیر تک تو یہ لوگ ہنسی خوشی کھیلتے رہے

اس کے بعد کچھ نمبروں کی گڑبڑ پڑ گئی۔ عزیز بولے "واہ اکیس آپ نے کیسے جوڑ لئے؟" زبیر کہنے لگے "دیکھیے دیکھیے میں بتاتا ہوں آپ کو۔ پہلے گیارہ پھر ایک پھر چار اور پانچ۔ یہ کل ہوئے یا نہیں اکیس؟"

"اچھا؟ یہ گیارہ آپ نے کب لئے؟ پہلی مرتبہ کل چھ ہی تو تھے۔"

عزیز نے کہا:

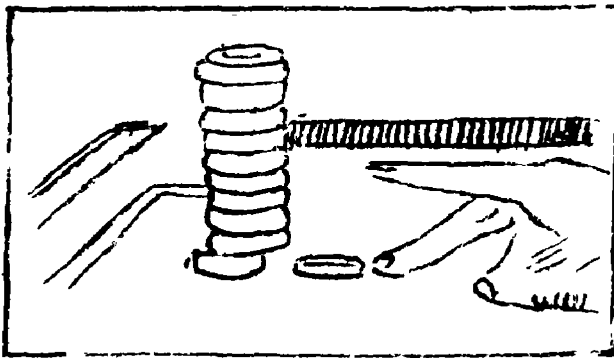
"گیارہ تھے جناب۔ یوں نہ بھولئے۔ اکیس ہوئے۔ آپ مانیں یا نہ مانیں" زبیر نے کہا عزیز کو کچھ غصہ آگیا کہنے لگے "آپ ڈیڑھ سو جوڑ لیجئے۔ میں تو نہیں کھیلتا۔ یہ روتی کھیل ہے۔"

زبیر بولے: "روتی کھیل تو آپ کھیل رہے ہیں۔"

"خیر۔ اٹھائیے یہ سب۔ میں آپ کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔" عزیز نے چڑ کر کہا۔

"ہاں تو میں بھی آپ کی خوشامد تو کر نہیں رہا ہوں۔ نہیں کھیلتے نہ کھیلئے۔" زبیر میاں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور رنگ میں بھنگ پڑ گیا۔

سب لوگ خفا ہو ہو کر اٹھ گئے۔ صرف زبیر کیرم بورڈ لئے بیٹھے کھٹا کھٹ کرتے رہے بے چارے کس کے ساتھ کھیلتے۔ اب انھیں شاید افسوس ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ جھگڑا کر کے مزا کرکرا کر لیا۔ کیا ہو جاتا جو عزیز میاں کی بات مان لیتے دو چار نمبروں کی بات ہی کیا تھی۔ پھر انھوں نے تھوڑی دیر تک تو بیٹھے کے دھاگے ادھیڑے گویا کچھ سوچ رہے ہوں لیکن فوراً ہی ان کی سمجھ میں کوئی کھیل آگیا جسے وہ اکیلے ہی کھیل سکتے تھے۔ انھوں نے کوئی آٹھ دس گوٹیاں جمع کر کے انھیں ایک دوسرے پر رکھا۔ اس طرح گوٹیوں کا اونچا گول سا کھمبا کھڑا ہو گیا۔ پھر انھوں نے بورڈ پر سٹرائکر رکھ کر اس کھمبے کا نشانہ لگا کے جو مارا تو سب



گوٹیاں تو اپنی جگہ پر رہیں صرف سب سے نچلی گوٹی نیچے سے نکل گئی۔ چار چھ مرتبہ انھوں نے یوں ہی نشانہ جمایا لیکن ہر مرتبہ صرف نچلی گوٹی نکل جاتی اور اوپر کی کوئی گوٹی نہ گرتی۔ زبیر میاں کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

میں کرسی پر بیٹھا ہوا ان کی تمام حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ ان کی آنکھیں کیرم کی گوٹیوں پر لگی ہوئی تھیں۔ اور منہ ذرا سا کھلا ہوا تھا جیسے کسی بڑی گہری سوچ میں پڑے ہوئے ہوں۔ میں نے کہا:

"زبیر میاں"

زبیر چونک پڑے اور اتنی زور سے اُچھلے گویا کسی نے چٹکی بھر لی ہو۔ جلدی سے بولے "جی"

میں نے کہا "بھئی میں ایک جادو جانتا ہوں"

"جادو؟" زبیر بولے اور حیرت سے اُن کا مُنہ تھوڑا سا اور کھل گیا۔

"اپنے جادو کے زور سے میں لوگوں کے دِلوں کی بات بتا سکتا ہوں۔ مثلاً میں یہ بتا سکتا ہوں کہ ابھی ابھی تم کیا سوچ رہے تھے۔" میں نے کہا

"بتائیے" انھوں نے پوچھا

میں نے جواب دیا "ابھی ابھی تم یہ سوچ رہے تھے کہ کیا ہم کہ نعوذ نکل گئی کیوں سب کی باقی اوپر کی گوٹیوں میں سے کوئی نہیں گرتی۔"

"کیوں۔ ٹھیک بتایا نا میں نے؟"

ہنس کر کہنے لگے "جی ہاں۔ ایسے ایسے جادو تو پچاسوں میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن واقعی میں سوچ یہی رہا تھا۔ پر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"میں بتاؤں تمھیں؟" میں نے پوچھا

"بتائیے۔ بتائیے" انھوں نے بیتابی سے کہا:۔

میں نے جواب دیا "اب تو کھانا تیار ہونے کو ہے۔ کھا پی کر ذرا اطمینان سے باتیں ہوں گی لیکن بھئی ایک شرط اور ہے۔ تم لوگ پہلے آپس میں صلح کرلو تب تو میں کچھ بتاؤں گا۔ نہیں تو جناب آپ لوگ کھانا کھا کر یوں ہی منہ سُجائے اپنے اپنے بستروں پر پھیل جائیے۔ کہیے کیا خیال ہے؟"

"میرا تو کسی سے جھگڑا نہیں" زبیر بولے

"میری کسی سے کوئی لڑائی نہیں" عزیز بولے

"میں تو کسی سے خفا نہیں ہوں" باسط بولے

"پھر آخر یہ آپ لوگوں کے منہ مداریوں کی ٹوپی جیسے کیوں بنے ہوئے ہیں؟" میں نے پوچھا

سب لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد دسترخوان چُنا گیا۔ کھانا کھا کر جو بیٹھے تو زبیر میاں نے فوراً یاد دلائی "بھائی جان وہ گوٹیوں والی بات آپ نے بتانے کو کہی تھی۔"

میں نے کہا "ہاں ہاں مجھے یاد ہے۔ تو سنو لیکن جہاں کہیں بات سمجھ میں نہ آئے پوچھ لینا۔"

عزیز اور باسط کچھ اور نزدیک کھسک آئے میں نے سب کی بڑھتی ہوئی دلچسپی دیکھ کر کہا۔ "یہ تو ہم لوگ جانتے ہیں کہ سائنس کی بدولت ہماری دنیا ترقی کرکے کتنا آگے بڑھ گئی ہے۔"

بھائی جان پاس ہی کہیں بیٹھی تھیں۔ وہیں سے بولیں "ڈھائی سو گز"

(باقی آئندہ)

غریبی

(از الحاج جوہر چاندوڑی (ایولہ ضلع ناسک))

ہر اک انسان دولت اپنی پائے
کہیں [illegible] مانگنے پیسہ نہ جائے
کبھی غربت کے پنجے میں نہ آئے
غریبی سے خدا سب کو بچائے

یہی ہے غارت گر عزت یہی ہے
یہی ہے باعثِ ذلت یہی ہے
یہی ہے دشمنِ [illegible]رامت یہی ہے
غریبی سے خدا سب کو بچائے

یہی کھوتی ہے بس توقیر انسان
یہی کرتی ہے بس تحقیرِ انساں
نہیں چلتی کوئی تدبیر انساں
غریبی سے خدا سب کو بچائے

اسی سے آن بھی کھوتا ہے انساں
اسی سے شان بھی کھوتا ہے انساں
اسی سے جان بھی کھوتا ہے انساں
غریبی سے خدا سب کو بچائے

غریبی کا عجب ہوتا ہے عالم
اسیرِ غم بشر رہتا ہے ہردم
غریبوں کو کبھی دیکھا نہ خرم
غریبی سے خدا سب کو بچائے



اسی سے آدمی کھوتا ہے ایماں
اسی سے جان کر کرتا ہے عصیاں
نہیں وہ دیکھتا ہے سود و نقصاں
غریبی سے خدا سب کو بچائے

جو ہوتا ہے بشر غربت کا مارا
نہیں دیتا اسے کوئی سہارا
پریشاں حال رہتا ہے بچارا
غریبی سے خدا سب کو بچائے

وہ جاتا ہے جہاں پاتا ہے ذلت
نہیں ہوتی کہیں توقیر و عزت
عزیز اور دوست سب کرتے ہیں نفرت
غریبی سے خدا سب کو بچائے

پڑا ہے ہم کو اس ظالم سے پالا
غریبی نے ہمیں تو مار ڈالا
نہیں ہوتا ہمارا بول بالا
غریبی سے خدا سب کو بچائے

ہمارے دل میں ہیں لاکھوں ہی ارماں
کریں دنیا میں کچھ کار نمایاں
مگر خالی ہیں جو ہر جیب و داماں
غریبی سے خدا سب کو بچائے

ابوالہول کے بنانے والے

آل انڈیا ریڈیو سے اجازت کے بعد

پروفیسر محمد عبدالغفور ٹریننگ کالج علی گڑھ

اللہ یار کی کمپنی آج کل قاہرہ میں پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔ دن بھر تو فوجی ڈرل اور رات کو جب تھکے ماندے اپنے بستروں پر آ لیٹے تو اللہ یار سے فرمائش کی جاتی۔ کہ ہاں صاحب! اب کچھ ہو جائے۔ اللہ یار نے آواز مردانہ مگر بڑی پیاری پائی تھی وہ اکثر لہک لہک کر پنجابی زبان میں یوسف زلیخا کا قصہ سنایا کرتا تھا۔ آج جب صبح کو صندوق میں چیزیں ترتیب دے رہا تھا تو اسے کپڑوں کی تہہ میں قصص الانبیا مل گئی۔ اسے شام کے لئے باہر نکال کر رکھا۔ ان کے دوست اللہ دیا کو حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ بہت پسند تھا۔ آج رات کو اللہ یار نے وہی قصہ اپنے مخصوص انداز میں سنایا۔ چھاؤنی میں رات کا سناٹا اور کچھ دور سامنے کھجور کے خاموش سنتریوں کے نیچے دریائے نیل کا بہاؤ۔ اللہ یار کی آواز رات کی فضا میں بار بار یوں اٹھتی تھی جیسے اندھیری رات میں کوئی مہتابی روشن ہو گئی ہو۔

اللہ یار اشعار ختم کر چکا۔ تو کچھ دیر خاموشی رہی پھر اللہ یار نے ایک آہ بھر کے کہا: "واہ اللہ میاں تیری بھی کیا شان ہے۔ تو نے فرعون جیسے بادشاہ کو وہ نیچا دکھایا کہ نہ نام رہا نہ نشان"۔ اس پر اللہ دیا (کمپنی کے جمعدار) بولے۔ "ارے بھئی نام نشان کیا کہو تو کل تمھیں فرعون صاحب سے ملوا دیں"۔ "ا ر ر ر۔ نا صاحب۔ باز آئے ہم ان مسمریزم والوں سے۔ اجی جب خدا کے پیغمبر نے اس سے منہ پھیر لیا۔ تو ہم کون ہوتے ہیں ملنے والے"۔

"واہ بھئی اللہ یار۔ خوب سمجھے۔ ارے بھئی مسمریزم نہیں۔ سچ مچ کے اصلی فرعون سے۔ حضرت موسیٰ کا فرعون نہ سہی۔ اس کا بھائی سہی ہم قاہرہ کے عجائب گھر میں ان سے ملاقات کرا سکتے ہیں کل چھٹی کا دن ہے۔ عجائب گھر تو کھلے گا نہیں چلو ان کے مقبروں کی زیارت کرا لائیں۔ پھر کسی دن فرصت ہوئی تو عجائب گھر دیکھنے چلیں گے"

اگلے روز ناشتے کے بعد سب لوگ ایک لاری

میں پہنچ کر جیزہ پہنچے [illegible] والے نے گاڑی عین ابوالہول کے پیچھے سامنے ٹھہرا دی [illegible] ہم سب اتر پڑے [illegible] میں باہر نکلے۔ لیکن نکلتے ہی حیرت سے [illegible] دیکھتے رہ گئے کہ [illegible] دور کہیں اوپر ایک انسانی چہرہ فضا میں مسکرا رہا ہے۔ یہ ابوالہول تھا۔ کچھ دیر کے لئے سب لوگ اُسے کھڑے دیکھتے رہے۔

ابوالہول کا بت ایک عجیب مسکراہٹ سے دور افق پر نگاہیں جمائے خدا جانے کیا دیکھ رہا تھا۔ آج سے نہیں ہزارہا سال سے یوں ہی دیکھے چلا جا رہا ہے۔ ہمارے ان دوستوں کی طرف تو اس نے نگاہ بھی نہیں کی۔ ابھی [illegible] دیکھتا [illegible] سامنے یوں معلوم ہوتے تھے۔ جیسے ہاتھی کے سامنے چیونٹے رینگ رہے ہوں۔ ابوالہول کا چہرہ چودہ فٹ چوڑا اور لمبائی [illegible] سو فٹ۔ اس کی جسامت کا اندازہ [illegible] کہ اس کے دونوں پنجوں [illegible] میں ایک اچھا [illegible] بنا ہے جس کے [illegible] نشان [illegible] ابوالہول صاحب ایک [illegible] تک [illegible] ریت میں [illegible] کسی کو [illegible] نہ تھا کہ [illegible] حضرت کہیں قاہرہ سے [illegible] دور صحرا میں چھپے بیٹھے ہیں۔ سنہ ۱۸۱۶ء میں ان پر سے کہیں ریت ہٹایا گیا۔ اور آپ [illegible] ریت [illegible] پر زرے جھاڑتے ہوئے مسکراتے [illegible]۔ اس دن سے آج تک مسکرائے [illegible] ہیں۔ خدا جانے [illegible] کی سرکار [illegible] ان کا [illegible] چھ [illegible] مصری کسان کا [illegible] سے دیکھ کے اب [illegible] اختیار مسکرا [illegible] بتاتا ہو [illegible] اور [illegible] پاس [illegible] ہوشخص پہلے نہیں دیکھا [illegible] شیخ القریہ [illegible] نمبردار کی [illegible] کہاں ریت میں چھپے بیٹھے تھے [illegible] لگان ادا کرنے کو روپیہ نہیں تھا۔ جو یوں روپوش ہو گئے تھے۔"

ابوالہول کے پیچھے جو دیکھا تو [illegible] صحرا کی فضا میں پہاڑوں کی سی سفید سفید چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اللہ دیا بولے "ارے بھئی یہ پہاڑ یہاں کہاں سے آئے۔" "پہاڑ کہاں؟ انھیں کو تو ہم دیکھنے آئے ہیں۔ یہ [illegible] مصر کے [illegible] بادشاہوں کی قبریں۔" "یہ تو اچھے خاصے پہاڑ معلوم ہوتے ہیں۔" ایک صاحب جو [illegible] سے [illegible] فرعونوں کے سر پر اگر پہاڑ نہ رکھ دیتے تو کیا ان کے مرنے [illegible] بھی [illegible] پہاڑ پھاڑ کر باہر نکل جاتے۔" [illegible] تو یہ [illegible] ہیں" اس [illegible] قریب پہنچے [illegible] مشکل [illegible] دار پگڑی باندھے [illegible] دم

معلوم ہوتی تھی۔ اُنھوں نے جو منہ اُٹھا کے دیکھنا شروع کیا۔ تو پگڑی دم سمیت پیچھے گر گئی۔ بھلا کیسے نہ گرتی۔ چار سو اکاسی فٹ بلندی کے نیچے سے کھڑے ہو کر دیکھنا کوئی آسان کام ہے؟ اور یہ رقبہ بھی اچھے خاصے گاؤں کا یعنی ۱۲½ ایکڑ۔ اور ایک صاحب تو دیکھ دیکھ کے جھوم رہے تھے۔ "قربان جائیں اُن پرانے معماروں کے جو اتنے اونچے پر پاڑیں باندھ باندھ کے پتھروں کی چنائی کرتے ہوں گے۔ اور واری جائے اُن مزدوروں کے جو بیس بیس فٹ لمبے پتھر نیچے سے اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے ہوں گے اور جو دیکھتے ہوں گے اُن کا تو کہنا ہی کیا ہے۔" ان کی یہ باتیں سُن کر جمعدار صاحب کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ پڑ گئے۔ بولے۔

ارے مسخرے۔ بھلا انسان اتنے بڑے پتھروں کو ایسے پھینک سکتے ہیں! پتھر نہ ہوئے کوئی والی بال ہو گئی۔ تمھارا خیال یہ ہے کہ بس دنیا کو عمارت بنانے کے وہی طریقے آتے ہیں جو آج کل رائج ہیں۔ نہیں۔ پرانے مصریوں نے ان کے بنانے کا ایک آسان مگر نیا طریقہ ایجاد کیا تھا۔ سب سے پہلے نچلی تہہ کے پتھر جما دئے۔ ان کے ایک طرف مٹی سے ڈھلوان راستہ بنا دیا اور اس پر سے دوسری تہہ کے پتھر چڑھائے۔ جب اُنھیں جما دیا تو دوبارہ سڑک پر اور مٹی ڈال کر اتنا اونچا کر دیا۔ کہ یہ ڈھلوان راستہ ان پتھروں کی سطح کے برابر ہو گیا۔ اسی طرح جوں جوں روّے پر روّا چڑھتا گیا۔ یہ ڈھلوان سڑک بھی زیادہ اونچی اور لمبی ہوتی گئی۔ عمارت پوری ہونے پر سڑک اُٹھا دی گئی۔ اور سڑک بھی کوئی معمولی سڑک تھوڑا ہو گی۔ بھلا جس پر ایک لاکھ مزدور بیس سال تک برابر آتے جاتے رہیں۔ اس کا اندازہ خود ہی لگا لو۔

یہ مقبرے کیا ہیں! سچ مچ کے عجائب گھر ہیں معلوم ہوتا ہے پرانے مصریوں نے دل میں سوچا کہ بچارے تاریخ کے طالب علم کتابوں کے خشک مضامین چاٹتے چاٹتے تنگ آچکے ہوں گے اور انھیں پرانے زمانے کی ایک رنگین فلم نہیں نہیں! پرانے زمانے کی رنگین زندگی دکھا دیں۔ ان مقبروں پر مدت کا پڑا ہوا پردا اُٹھا تو یہ زندگی ایک کتاب کی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے آگئی۔ آیئے اب ان مقبروں کے اندر لے چلیں۔ ہم سے پہلے بہت لوگ اُن کے اندر جا چکے ہیں آپ تو سمجھتے ہوں گے۔ کہ ان کا پتہ سب سے پہلے پرانی عمارتوں کے ماہروں نے ہی لگایا ہوگا۔ نہیں بعض لوگ تو اُن سے بھی پہلے اندر پہنچ گئے۔ یہ کون تھے؟ چور۔ قبروں کے چوستے۔ جہاں کہیں موقع ملا

خوب صورت خوب صورت چیزیں اور تحفے سب لوٹ کھسوٹ کرکے بھاگ گئے۔ ان ڈاکوؤں کا دیکھا تو پتہ بھی نہ چلتا۔ ان مقبروں کے اندر کہیں کہیں بچی ہوئی نعشیں دیے سے پڑی ملتی ہیں انہی دیواروں کی مدھم روشنی میں ان کفن چوروں نے بادشاہوں کی نعشوں کو لوٹا ہوگا۔ نعشیں! آپ بھی کہتے ہوں گے۔ کہ نعشوں کا کیا کام چار ہزار سال کی مدت میں تو انسان کا جسم گل کر خدا جانے کیا کچھ ہو جاتا ہوگا۔ نہیں مصر کے فرعونوں کے جسم تو مٹی بھی نہ گلا سکی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مٹی ان سے ڈرتی تھی۔ بات یہ کہ وہ ان کے ان مسالوں سے ڈرتی تھی جو وہ مردے کے جسم پر لگاتے تھے۔ مٹی تو ان کو چھو بھی نہ سکی۔ پرانے مصریوں نے مقبرے بنائے تو ایسے کہ چار ہزار برس سے آج تک جوں کے توں قائم ہیں۔ اور نعشوں پر مسالے لگائے تو ایسے کہ چہرے کی تازگی اور جسم کی توانائی سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی ابھی باتیں کرتے کرتے سو گئے ہیں۔ آج کوئی صاحب خواہ اپنے جسم کا بیمہ بھی کرالیں۔ تب بھی یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ اور بات ہے۔ کہ کسی اسپرٹ کی بھری ہوئی بوتل میں مچھلی یا کوئی مینڈک رکھ دیں تو شاید دو چار دن اور سلامت رہیں۔ مگر یہ بات کہاں۔ کہ چار ہزار برس گزر گئے۔ اور جیسے مرے تھے۔ ویسے ہی جوں کے توں لیٹے ہیں۔ مقبرے میں تابوت کے باہر اکثر بادشاہ کا سونے کا بت ہوتا تھا جس کے سر پر سنہری ناگ کا پھن بنا ہوتا تھا۔ یہ بادشاہی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ اور یہ باہر کون کھڑی ہیں۔ اے۔ تو بادشاہ کی خادماؤں کے بت ہیں۔ کیسے خوب صورت سنہرے لہریا دار لہنگے پہنے ہوئے ہیں۔ سر پر دو نازک اور ہلکی سی ٹوکریاں جن میں کھانے پینے کی چیزیں، یا چار ہزار سال سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے شاہی حکم کے انتظار میں کھڑی ہیں۔ ادھر بلاوا آیا۔ اور ادھر خادموں نے ادب سے شاہی دسترخوان بچھایا

(باقی آئندہ)

بچوں کی کوششیں

محمد شفیع الدین صاحب نیّر کی اصلاح کے بعد

ہم چلیں جبل پور

از [illegible] جبل پوری

ہم چلیں جبل پور۔ گاڑی بولے چلو ضرور

آہا، آہا، آہا، آہا، آہا، آہا

چھک چھک چھک چھک گاڑی بولے

جیا مرا بھی دھڑ دھڑ ہووے

چمک چمک کر پٹری بولے

جانا بہت ہی دور!

ہم چلیں جبل پور۔ گاڑی بولے چلو ضرور

آہا، آہا، آہا، آہا، آہا، آہا

رم جھم رم جھم برکھا آئے

جیا مرا لہرا رہی جائے

جھوم جھما جھوم سبزہ ناچے

دل ہووے مسرور!

ہم چلیں جبل پور۔ گاڑی بولے چلو ضرور

آہا، آہا، آہا، آہا، آہا، آہا

جھوم اُٹھی ہے دنیا ساری

پھول اُٹھی ہے ہر پھلواری

[illegible] گائیں [illegible] باری باری

سب مل کر مسرور!

مور

محی الدین واسع [illegible]

آہا! آہا! کیا مور کھڑا ہے
وہ دیکھو ٹیلے پر کھڑا ہے
اس کے سر پر ہے اک تاج
اس کے پر بچوں کو ہیں بھاتے

اس کا تن پھولوں سے بھرا ہے
خوش ہو ہو کر وہ ناچ رہا ہے
کرتا ہے باغوں میں راج
ہیں یہ اُن کے دل کو لبھاتے

مور ہے یہ اچھے پر والا
ہر پر پہ بوٹا ہے نرالا

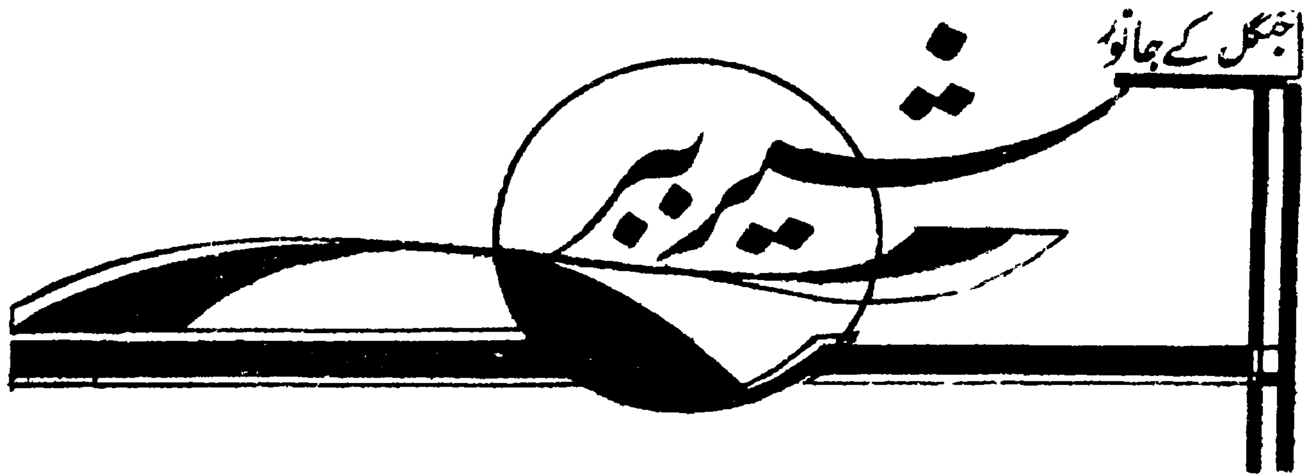
گلزار نگر

یوسف ظفر اعظمی

دوست۔ دُھندلا سادہ اک باغ جو آتا ہے نظر
دور چھوٹا ہی سا اک گاؤں ہے گلزار نگر!
دوست! وہ گاؤں مرا گھر مرا گہوارہ ہے
ساری دُنیا سے وہ اچھا ہے مجھے پیارا ہے
آج تک تم نے تو دیہات نہ دیکھے ہوں گے
اک نئے رنگ کے دن رات نہ دیکھے ہوں گے
یہ غلط ہے کہ طبیعت وہاں گھبرائے گی
گاؤں کی ساری فضا مست نظر آئے گی
آج کل گاؤں میں کل اوکھ کی چلتی ہوگی

ہاں اسی باغ سے کچھ اور اُدھر اور اِدھر!
آؤ اے دوست چلو سیر کر آئیں چل کر
میرا مسکن ہے مری آنکھ کا وہ تارا ہے
آؤ اے دوست چلو سیر کر آئیں چل کر!
کچے مٹی کے مکانات نہ دیکھے ہوں گے
آؤ اے دوست، چلو سیر کر آئیں چل کر
تم نے بھی کیسا بہانا یہ نکالا ساتھی!
آؤ اے دوست چلو سیر کر آئیں چل کر!
جوڑی بیلوں کی گلے مل کے ٹہلتی ہوگی

ایسے میں کس کی طبیعت نہ بہلتی ہوگی!
آؤ اے دوست چلو سیر کر آئیں چل کر!



آل انڈیا ریڈیو کی اجازت کے بعد

سید نصیر احمد بی اے جامعی

شیر ببر حیران رہ گیا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر پھر بیٹھ گیا۔ عرب کے دل میں اور جرأت پیدا ہوئی اور اس نے پھر چیخ کر کہا "دور ہو جاؤ۔ ورنہ اس چھڑی سے تمھاری ہڈیاں توڑ دوں گا"۔

اور یہ کہہ کر اس نے اپنی چھڑی سے شیر ببر کی ناک کو چھوا۔ اور یہ زبردست جانور جو اس عرب کو ایسی ہی آسانی سے مار سکتا تھا جیسے بلی چوہے کو مار ڈالتی ہے اٹھا اور جنگل میں غائب ہو گیا۔

ثریا:۔ اور وہ عرب خیریت سے اپنے گھر پہنچ گیا۔

چچا جان:۔ بالکل اور یقیناً شیر ببر بھی خیریت سے اپنے گھر پہنچ گیا ہوگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ شیر ببر کے بچے اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ اس لئے کہ انھیں اپنے ماں باپ سے بے حد محبت ہوتی ہے۔ جب یہ بچے چھوٹے ہوتے ہیں تو شیر ببر اور شیرنی اُن کے لئے خوراک فراہم کرتے ہیں۔ وہ اور جنگلی جانوروں کی طرح بچوں کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیتے۔ جب بچے ذرا بڑے ہوتے ہیں تو شیر ببر اور شیرنی انھیں شکار کرنا سکھاتے ہیں۔ اور یہ بچے جب تک [illegible] کے نہ ہو جائیں اپنے والدین [illegible] ہیں۔ یہ بچہ چھ سال کی عمر میں پورا بن جاتا ہے۔ مگر تین سال کی عمر میں [illegible] ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

عدنان:۔ چچا جان کسی شیر ببر کے بچے کی کو

کہانی سُنائی ہے۔

چچا جان :- میں جب فوج میں تھا تو ہم نے ایک شیر پال رکھا تھا اس کا نام "شہد نشان" تھا۔ اس کے جسم پر سونے جیسے ... اُس کا رنگ شہد کا سا تھا۔ کچھ مدت تک شہد نشان کو ہم بوتل کے ذریعے دودھ پلاتے رہے۔ جب اُسے وقت پر دودھ نہیں ملتا تھا تو خوب چیختا چلاتا تھا۔ وہ فوج کے ہر شخص کو پیارا تھا اور ایسا پالتو تھا جیسے بلی ہوتی ہے۔

ایک رات وہ کہیں غائب ہوگیا۔ ہم نے بہت تلاش کیا مگر نہ ملا۔ بات یہ ہوئی کہ رات کو سخت سردی تھی۔ "شہد نشان" کی کٹھڑی میں (جس میں وہ رہا کرتا تھا) زیادہ گرمی نہ تھی۔ چنانچہ وہ اُٹھا اور چپکے سے ایک افسر کے خیمے میں چلا گیا اور اس کے بستر میں گھس کر اور تکیے پر سر رکھ کر سوگیا جب ہم نے دیکھا تو وہ اس قدر گہری نیند سو رہا تھا کہ جب ہم نے اُسے خوب ہلایا تب کہیں جاکر اُٹھا۔

تھوڑے دنوں میں "شہد نشان" بڑا ہوگیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن فوج کا ایک سپاہی اس سے کھیل رہا تھا تو "شہد نشان" نے مذاق کے طور پر اپنا اگلا پنجہ اس کے کاندھوں پر مارا۔ بس پھر کیا تھا وہ سپاہی اس طرح زمین پر گر گیا جیسے اُس کے گولی لگی ہو۔ یاد رکھو کہ شیر ببر کے پنجے میں بھی غضب کی قوت ہوتی ہے۔ اور شیر ببر کے پنجے کی ضرب کا زمین کی کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس میں جو ہڈی ہوتی ہے وہ لوہے کی طرح سخت ہوتی ہے اور اس میں جو پٹھے ہوتے ہیں انھیں بس فولاد سمجھو فولاد۔

اس کے بعد کوئی "شہد نشان" سے نہیں کھیلتا تھا۔ جب ہماری فوج افریقہ سے آنے لگی تو ہم نے یہ بچہ وہاں کے چڑیا گھر میں دے دیا۔

ایک کافی مدت کے بعد ہماری فوج کے ایک افسر کو افریقہ جانے کا اتفاق ہوا اور وہ "شہد نشان" کو دیکھنے چڑیا گھر میں بھی گیا۔ اب "شہد نشان" کے ایال نکل آئی تھی اور وہ بڑا ہوگیا تھا۔

سرور :- کیا شہد نشان نے اس افسر کو پہچانا نہیں؟

چچا جان :- فوراً پہچان لیا۔ شیر ببر کی یاد بہت اچھی ہوتی ہے جب اُس نے اس افسر کو پنجرے کے باہر دیکھا تو وہ فوراً دوڑ کر سلاخوں کے پاس آگیا اپنا سر اُن سے رگڑنے لگا اور عجیب و غریب

آوازیں نکالنے لگا گویا وہ اپنے پرانے دوست کا خیر مقدم کر رہا تھا۔ وہ افسر پنجرے کے اندر جانا چاہتا تھا۔ مگر محافظ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ میرا خیال ہے اس میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ کیونکہ شیر ببر ان لوگوں سے جو ان سے محبت کرتے ہیں بڑی اچھی طرح پیش آتے ہیں اور ان پر عام طور پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

بعض اوقات وہ عجیب قسم کی دوستی پیدا کر لیتے ہیں اور خاص کر اس وقت جب وہ قید میں ہوں۔ ایک بوڑھی شیرنی جو پچاس بچے دے چکی تھی۔ چوہوں سے سخت تنگ تھی۔ اس کا پنجرا چھوٹا سا تھا اور اس میں بے شمار چوہے ہو گئے تھے۔ وہ اسے خوب دق کرتے تھے اور شیرنی سے کچھ بنائے نہ بنتی تھی۔ آخر کار محافظ نے اس پنجرے میں ایک چھوٹا سا کتا جو بہت ہوشیار اور چالاک تھا داخل کر دیا۔

شیرنی میں وحشت حد سے زیادہ تھی وہ اس کتے کو دیکھ کر غضبناک ہو گئی اور کتا ایک کونے میں جو اس کی پہنچ سے باہر تھا دبک کر بیٹھ گیا۔ چند منٹ کے بعد ہی دو چوہے ایک بل میں سے نکل کر شیرنی کے پنجے کو کاٹنے لگے۔ بجلی کی تیزی سے کتا اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں چوہوں کو مار ڈالا

شیرنی کی وحشت نرمی میں تبدیل ہو گئی

اس نے بہت نرم نرم آوازیں نکال کر کتے کو اپنے قریب بلایا اور جب وہ آیا تو اس نے اپنے دونوں پنجے اس کی گردن میں ڈال دئے۔ اور خوب پیار کیا۔ بس پھر کیا تھا ان دونوں میں خوب دوستی ہو گئی جو شیرنی کے مرتے دم تک قائم رہی۔ شیرنی کتے کے احسان کو کبھی نہ بھولی، اور طرح طرح سے اس کا اظہار کرتی رہی۔

اس طرح کی ایک اور کہانی بھی سنو بڑی اچھی اور بالکل سچی۔ شیروں اور جانوروں کو سرکس کے لئے سدھانے والا ایک آدمی تھا جسے انگریزی میں ٹرینر کہتے ہیں۔ یہ ٹرینر جانوروں پر بے حد مہربان تھا۔ ایک دفعہ اس سے کہا گیا کہ سرکس کے لئے چھ اور شیروں کو سدھائے جو کسی اور ٹرینر کے سدھائے ہوئے تھے۔ یہ چھ شیر ببر بھی اس کی حفاظت میں آ گئے۔ پہلے دن جوں ہی ٹرینر پنجرے میں داخل ہوا جس میں سب کے سب شیر بند تھے اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی نئے شیروں میں سے ایک شیر ببر

نے اس پر حملہ کر دیا ۔ یہ دیکھ کر اُس کے پانچ ساتھی بھی حملے میں شریک ہو گئے ۔ یہ ٹرینر کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتے اگر اس کے پرانے شیروں میں سب سے طاقتور شیر اپنے ٹرینر کی مدد کو نہ پہنچتا، اُس نے سوائے پہلے کے باقی شیروں کو مار بھگایا۔ پہلے شیر نے ٹرینر کی ران میں اپنے دانت گاڑ رکھے تھے ۔ مگر اُس نے ایک لوہے کی سلاخ سے جو اُس کے نائب نے اُس کی طرف بڑھائی تھی اس شیر ببر کو مار ڈالا حقیقت میں اس کی زندگی اپنے پرانے سدھلائے ہوئے شیر ببر کے طفیل بچی۔

عدنان :۔ میں کسی شیر ببر کو غصے کی حالت میں دیکھنا چاہتا ہوں ۔ قریب سے نہیں بلکہ ذرا دور سے ۔

چچا جان ۔ جو وہ قریب آجائے تو تم مارے ڈر کے بھاگ بھی نہ سکو ۔

ثریا :۔ چچا جان ، شیر ببر کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔

چچا جان :۔ بیٹی ، شیر ببر کا اصلی گھر افریقہ ہے۔ ہندوستان اور ایران میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ مگر اُن کی تعداد یہاں دن بدن کم ہو رہی ہے ۔ اچھا اب کافی دیر ہو گئی ہے ، اب کل شیر کی باتیں ہوں گی ۔

اِک ذرا خیال رکھنا

جنوری ۱۹۴۵ء

سے

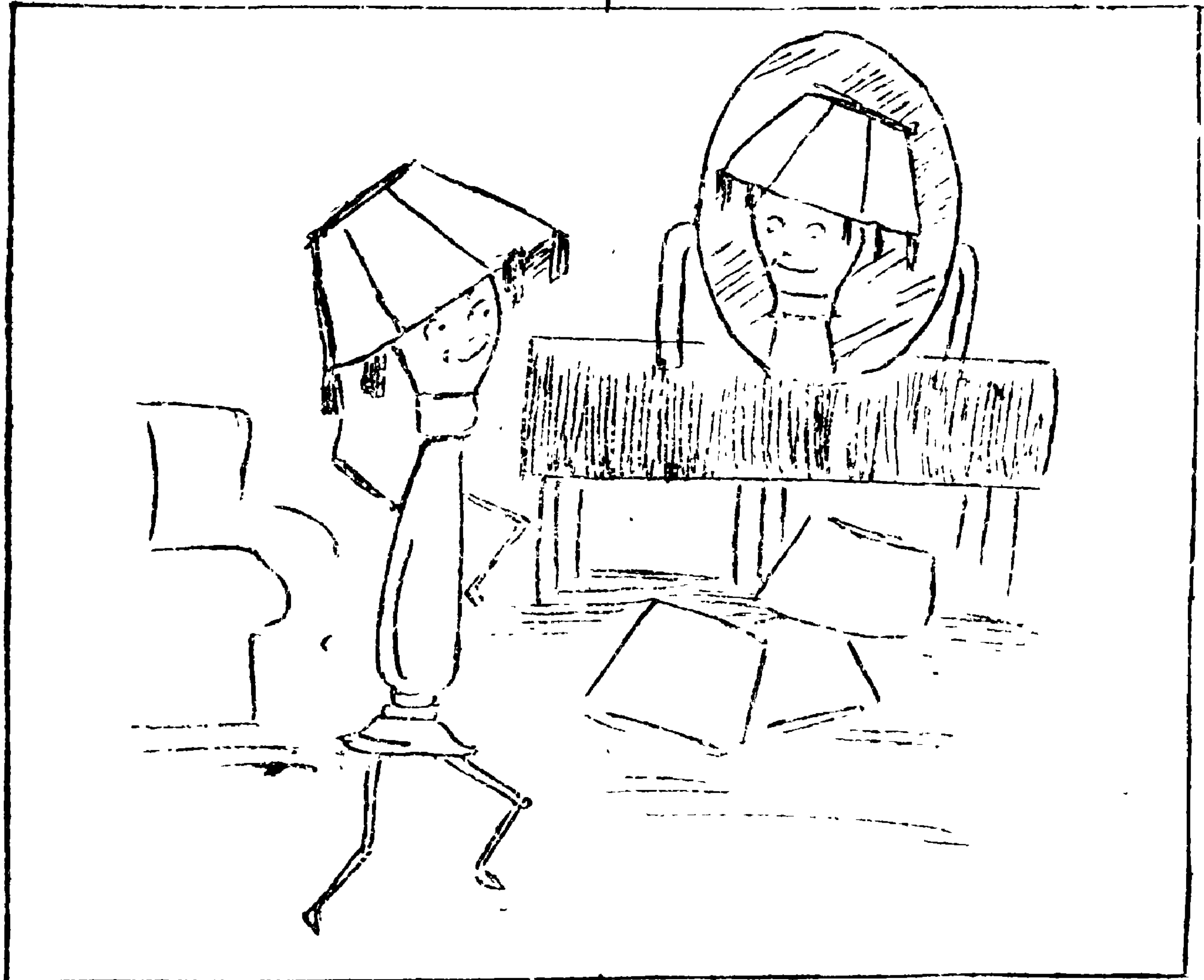
پیام تعلیم کی قیمت بجائے ۸؍ کے ۱۲؍ کر دی گئی ہے۔ ہم تمھارے پرچے کی قیمت ہرگز نہ بڑھاتے مگر مشکلیں ہی کچھ ایسی پیش آگئی ہیں۔ اب جنوری ۱۹۴۵ء سے جو وی، پی جائیں گے وہ ڈاک کا خرچ ملا کر ۳؍ میں جائیں گے ۔ ۲؍ منی آرڈر کے ۲؍ وی، پی کے ۔ تم یہ ۲؍ فضول کیوں خرچ کرو ، تین روپے منی آرڈر کردو ۔ ۲؍ منی آرڈر کا خرچ ۔ ۲؍ بچ جائیں گے ۔ مگر پتہ صاف لکھنا ؛

منیجر مکتبہ دہلی ، قرول باغ

شیخی

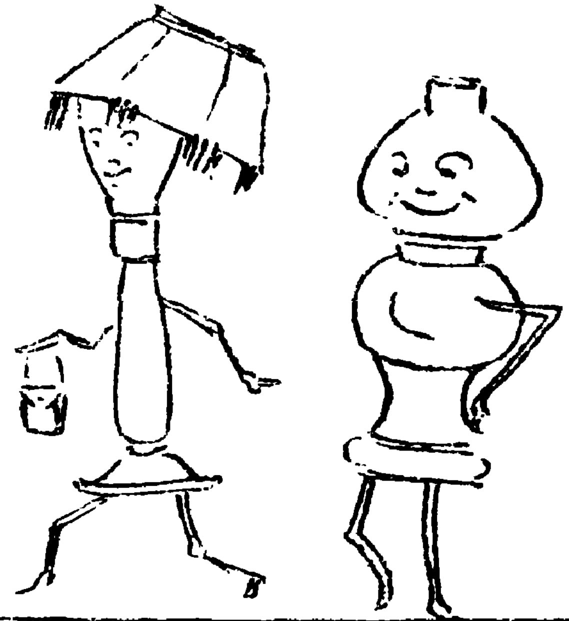
فیروز آرٹسٹ

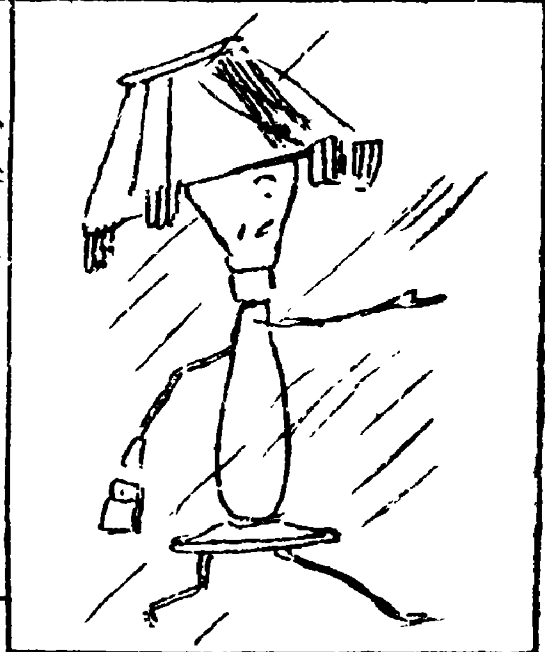
ایک تھے شیخ برق صاحب اور ایک بتائیں، شیخ جی اصل میں بجلی کا لیمپ تھے۔ ایک



تھے خان صاحب روشن خاں ، نہیں سمجھے ؟ تو ہم بڑی سی کوٹھی میں رہتے تھے ۔ خان صاحب

بھی اسی ذات سے تھے۔ مگر تھے بے چارے پُرانے زمانے کے۔ مٹی کے تیل سے جلتے تھے کوٹھی کے پاس ہی ایک پُرانا سا گھر تھا اُس میں

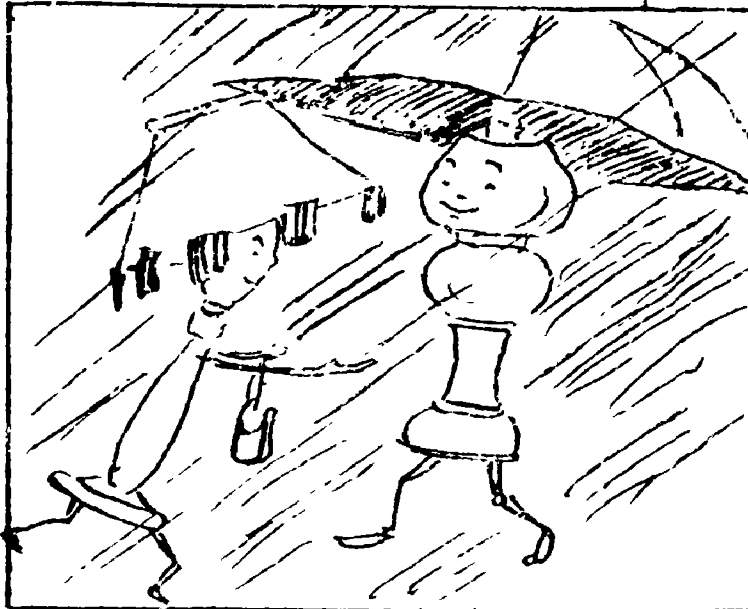




رہتے تھے۔ یوں سمجھو کہ شیخ جی کے پڑوسی تھے

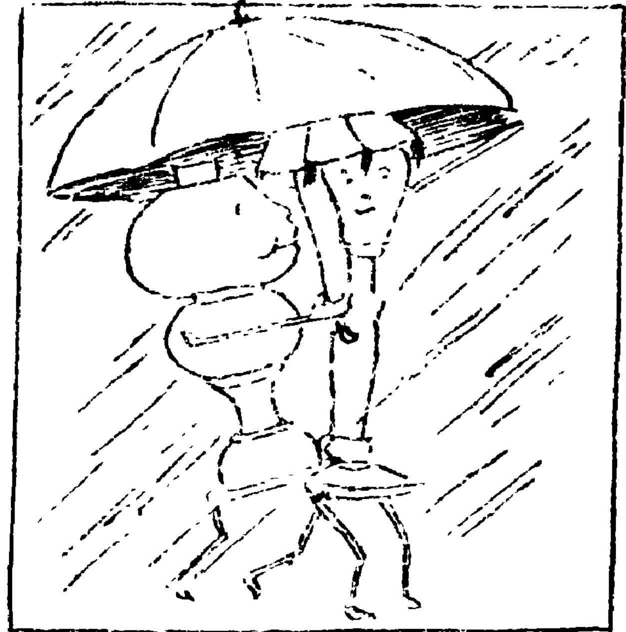
شیخ جی بہت شوقین آدمی تھے۔ اُنھیں ٹوپیوں کا بہت شوق تھا۔ روز بازار جاتے اور نئی سے نئی ٹوپی ڈھونڈ کر لاتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اُن کی ٹوپی کیا ہوتی ہے؟ وہی جسے تم شیڈ کہتے ہو شیڈ۔

تو ایک دن یہ ٹوپی خریدنے بازار جارہے تھے بہت اکڑتے اور شان دکھاتے راستے میں اُن کے پڑوسی روشن خاں مل گئے خاں صاحب اگلے وقتوں کے لوگ ہیں بہت نیک اور شریف اُنھوں نے شیخ صاحب کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ شیخ جی نے خاں صاحب کو بڑی حقارت سے دیکھا اور دوسری طرف مُنہ



کرکے چلے گئے۔ کچھ بڑبڑا بھی رہے تھے، "بوڑھا کھوسٹ" شیخ جی بازار سے لوٹے تو بوندا باندی

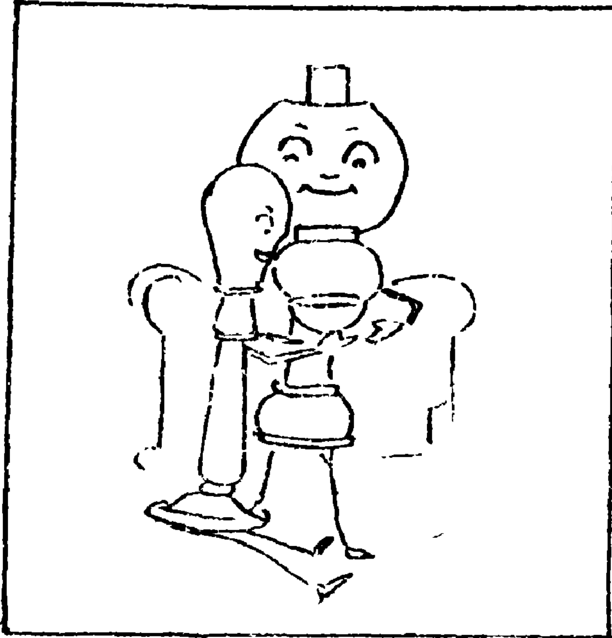
ہونے لگی۔ اب تو یہ پریشان ہوئے، چھتری تھی نہیں اور نئی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے، بار بار



ہاتھ اُٹھائے دیکھتے تھے۔ بوندیں تیز تو نہیں ہوئیں! آخر مینہہ زور سے برسنے لگا۔ اب کیا کریں!

اتفاق سے خان صاحب سامنے آ گئے بڑی سی چھتری لگائے کہیں کسی کام کو جا رہے

تھے۔ اب شیخ جی کچھ کسمسائے کچھ جھجکے، آخر نہ رہا گیا اور لپک کے خان صاحب کی چھتری میں آ گئے خان صاحب



سچ مچ بہت بھلے مانس ہیں۔ اگر وہ بھی شیخ جی کی طرح رکھائی برتتے تو اُن کی کتّی رہ جاتی۔ اب یہ دونوں ایک ہی چھتری میں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ خان صاحب انھیں زبردستی اپنے گھر لے گئے اور خوب چائے وائے پلائی۔ شیخ جی اپنے جی میں بہت پشیمان تھے۔

یہ تو ہوا شیخ جی اور خان صاحب کا قصہ۔ اب تم ان تصویروں میں ذرا رنگ بھر کر دیکھو۔

رنگ اپنی پسند کے بھرنا! دیکھو کیسی اچھی معلوم ہوں گی۔

مزے مزے کے کھیل

مشتاق احمد اعظمی

کہو صاحب پچھلے مہینے کے کھیل پسند آئے؟ ان کھیلوں میں خیال رکھنے کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کاغذ بہت صفائی سے موڑے جائیں۔ ایک کونا ٹھیک دوسرے کونے سے جا کر ملے۔ اور کاغذ بالکل چوکور ہو۔ ورنہ تصویریں بھدّی اور بدنما معلوم ہوں گی۔ بالکل کیمرے کا حساب ہے۔ اگر فلم ٹھیک تو تصویریں ٹھیک ورنہ ساری محنت اکارت۔

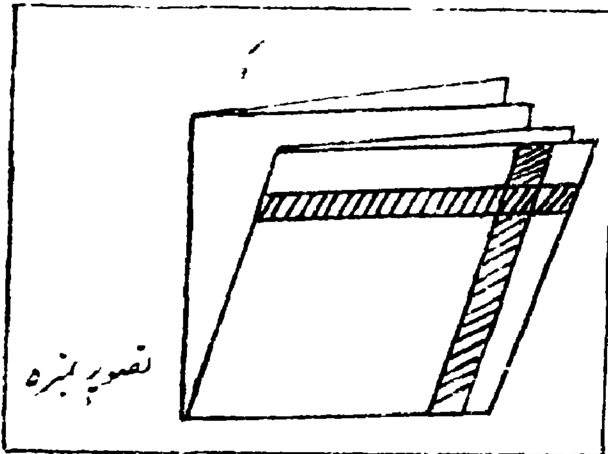
اچھا تو اب بنانا شروع کرو۔ پچھلے مہینے جو تم نے تصویریں بنائی تھیں اُن پر کتنا گرد و غبار پڑ گیا ہوگا۔ دیہات میں تو گرد و غبار کا راج ہی ہے اور ہمارے شہروں کی میونسپلٹیاں تو بھی بس یوں ہی سی ہیں تو انھیں جھاڑنے پونچھنے کے لئے ایک رومال تو بنا لو۔

چوکور کاغذ لے لو، آدھوں آدھ موڑ لو۔ لمبی سی پٹری کی طرح ہو گیا نا، اُسے پھر آدھوں آدھ موڑ لو، یہ لو یہ پھر چوکور ہو گیا۔ تہہ کیا ہوا رومال، جی چاہے تو سرے پر کچھ نقش و نگار بھی بنا لو اور اپنے نام کا پہلا حرف بھی لکھ دو۔ تصویر نمبر ۵

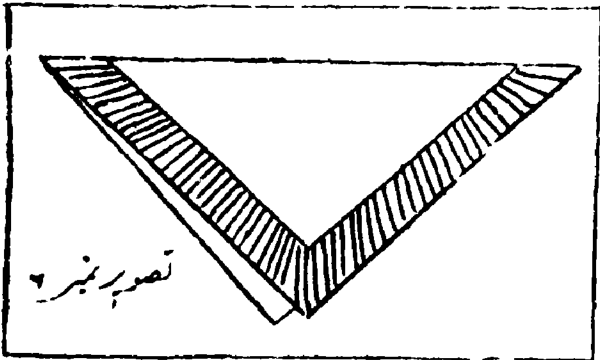
تم خفا تو ہو رہے ہو گے کہ اچھی ترکیب بتائی چیزیں تو رومال سے صاف ہو گئیں، لیکن خود اپنا چہرہ اور ہاتھ پیر جو گرد و غبار سے اٹ گئے۔ تم ہاتھ مُنہ تو دھو ڈالو۔ تولیہ بنانے کی ترکیب میں بتاتا ہوں۔ ایک چوکور کاغذ لے لو، اُسے آدھوں آدھ ترچھا موڑ لو، کونوں سے مڑے۔ بھئی واہ کتنا اچھا تولیہ ہے اور اُس کے پرت پر نقش بھی بنا لو۔ تصویر نمبر ۶۔

خیمہ

تولیہ بنا چکے؟ اُسے کھول دو۔ اور کاغذ کو اس طرح

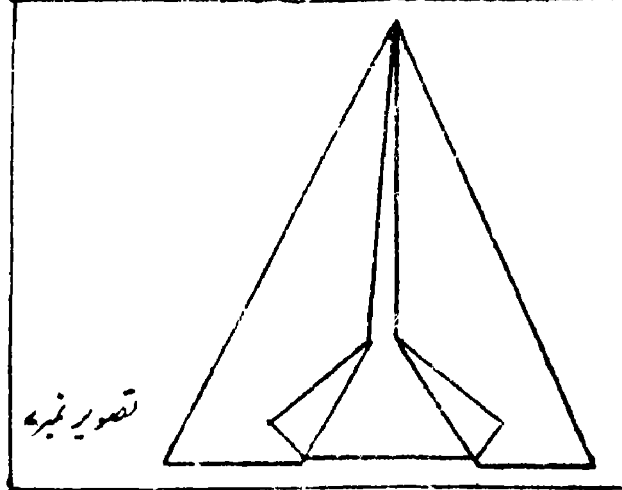


رکھ لو کہ جو ترچھی سی لکیر پڑ گئی ہے وہ کھڑی رہے۔ اوپر



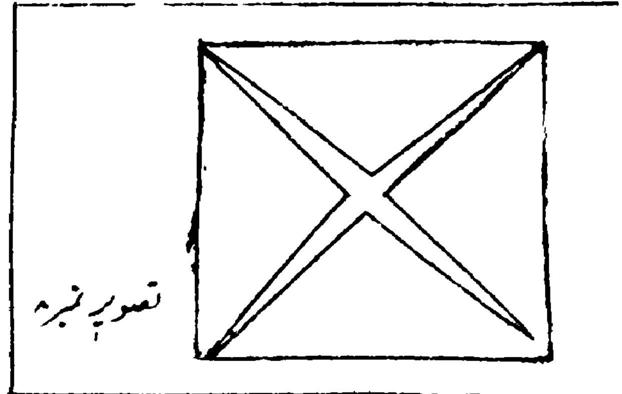
کا دایاں کونا موڑ کر لکیر پر لے آؤ۔ اسی طرح بایاں کونا بھی۔ نیچے جو چوکور سا کاغذ ہے نا اُسے موڑ کر پیچھے کر دو۔ اب تمھارا

خیمہ اسی کے ۔ بالے کھڑا رہے گا۔ جب اندر جانا چاہو اُوپر کے دونوں کونوں کو پلٹ دو۔ ہو گیا نا راستہ۔ اچھا اب بند کرلو۔



تصویر نمبر۷

ورنہ کہیں میاں اونٹ کو سردی لگی اور اُنھوں نے گز بھر کی گردن اندر ڈال کر کہا "مجھے بھی جگہ چاہیے" تو پھر تمھارے لئے

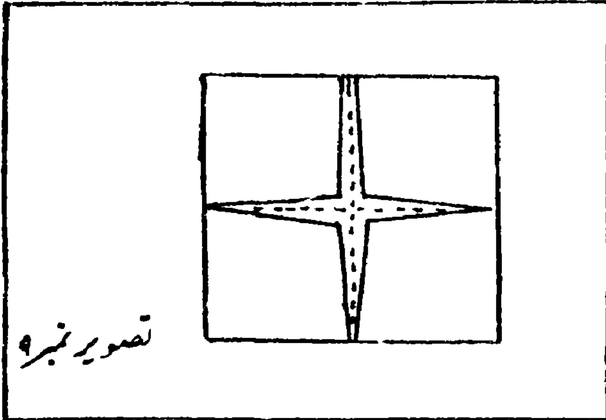


تصویر نمبر۸

جگہ نہ رہے گی ۔ تصویر نمبر۷

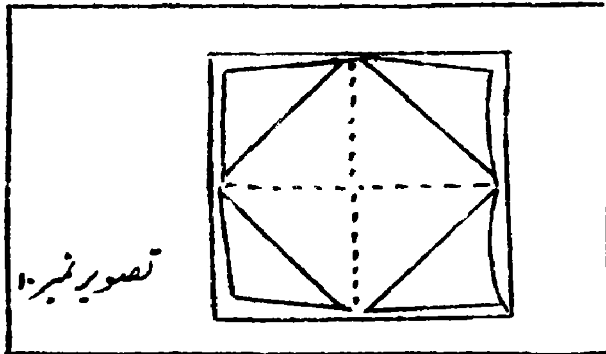
فریم

بھئی واہ فریم بنانا تو تم نے سیکھا ہی نہیں آخر اپنی تصویریں کاہے میں لگا کر رکھو گے ۔ ایک چوکور کاغذ لے لو۔ پہلے تو اسے چاروں کونوں سے ترچھا ترچھا موڑ لو تاکہ بیچوں بیچ سے ہوتی ہوئی دو لمبی لمبی لکیریں پڑ جائیں۔ پھر چاروں کونوں کو موڑ کر بیچ میں لے آؤ۔ اب پلٹ کر پیچھے کا حصہ آگے کر لو اور پہلے کی طرح ان چاروں



تصویر نمبر۹

کونوں کو پھر موڑ کر بیچ میں لے آؤ۔ موڑ لیا؟ اچھا پلٹ کر جیوں کا تیوں کر لو۔ فریم تیار ہے نہیں سمجھ میں آئی بات۔ ارے بھائی کاغذ کے چاروں کونے جو بیچ میں ہیں نا انھیں اسی



تصویر نمبر۱۰

طرح پلٹ کر پیچھے کر دو کہ یہ اپنی سیدھ کے اُوپر کے کونوں سے جا ملیں نکل آئی نا تصویر رکھنے کی جگہ؟ اس پر پھول پتیاں بنا کر خوب صورت سا بنا لو۔ اسی ناپ کی تصویر لے کر فریم میں لگا لو۔ اگر اس فریم کو چند گھنٹے کسی موٹی سی کتاب کے نیچے دبا کر رکھ لو تو یہ دب دبا کر بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔

پیامِ برادری

عزیز بچیو اور بچو!

بہت دنوں سے تمھارا تقاضا تھا کہ پیام برادری کو زندہ کیا جائے، کیونکہ ہماری آپا جان مرحومہ کی یہی بہترین یادگار ہے۔ مجھے خود اس کی فکر تھی مگر حالات موافق نہ تھے۔ اِدھر تمھارے تقاضے بڑھتے جاتے تھے۔ اب خدا خدا کرکے تمھارے شوق کو پورا کرنے کا انتظام ہو گیا ہے۔ بہت اچھا انتظام! خیال تھا کہ نئے سال سے یہ سلسلہ شروع کیا جائے۔ مگر اچھے کاموں کے لئے کیا نیا کیا پرانا۔

پیام برادری کوئی نئی چیز تو ہے نہیں۔ بہت سے پیامی اس سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پیامیوں میں مل جل کر کام کرنے اور وقت بے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ ان میں لکھنے پڑھنے تقریر کرنے کا شوق ہو اور یہ اپنا خالی وقت دلچسپ اور مفید مشغلوں میں لگائیں۔ آپا جان مرحومہ نے جس وقت برادری قائم کی تھی تو یہی مقصد اُن کے سامنے تھے۔ پیامیوں نے انھیں دل سے پسند کیا تھا، اور یہ ہیں بھی اتنے اچھے

میں پیام برادری کا ممبر ہونا چاہتا / چاہتی ہوں۔ بیج کی قیمت ایک روپیہ بھیج رہا / رہی ہوں۔ میرا نام ممبروں کی فہرست میں شامل کر لیجیے۔

دستخط .... عمر ....

پیدائش کی تاریخ ....

پتہ ....

....

خاص شوق ....

میں پیام برادری کا ممبر ہونا چاہتا / چاہتی ہوں۔ بیج کی قیمت ایک روپیہ بھیج رہا / رہی ہوں۔ میرا نام ممبروں کی فہرست میں شامل کر لیجیے۔

دستخط .... عمر ....

پیدائش کی تاریخ ....

پتہ ....

....

خاص شوق ....

کہ تمھیں کیا کسی کو بھی ان سے اختلاف نہ ہوگا۔ کیوں ٹھیک ہے نا

ہاں تو بھئی دسمبر کا پرچہ چھاپے خانے میں چلا گیا تھا، مگر میں نے کہا چاہے کچھ بھی ہو اس خوش خبری کی اطلاع تمھیں ابھی سے مل جانی چاہیے، اور کام بھی ابھی سے شروع ہو جانا چاہیے تو صاحب میں نے تو شروع کر ہی دیا اب تمھاری باری ہے۔ نیچے برادری میں شامل ہونے کا کوپن ہے۔ اسے بھر کر بھیج دو۔ برادری کا امتیازی نشان ایک بیج ہے۔ ہر ممبر کے لئے اس کا لگانا ضروری ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ ہر ممبر خوشی اور فخر کے ساتھ اس بیج کو پہنے گا۔ ویسے یہ ہے بھی بہت ہی خوب صورت اس کی قیمت میں نے ایک روپیہ (عہ) رکھی ہے۔ اس لئے کوپن کے ساتھ ساتھ بیج کی قیمت (ایک روپیہ) کا آنا بھی ضروری ہے۔

سولہ سال تک کی بچیاں اور بچے اس برادری میں شامل ہو سکتے ہیں۔ بس یہ سمجھو اس وقت تو سب سے ضروری کام تمھارے لئے یہ ہے کہ خود بھی اس کے ممبر بنو اور ساتھیوں کو بھی اس میں شامل کرو۔ پیام برادری کے فائدے اور تمھارے کرنے کے کام جنوری کے پرچے میں بتائیں گے۔

مجھے تمھارے جواب کا انتظار رہے گا۔

تمھارا

"مشتاق بھائی"

پیام برادری کا عہد نامہ

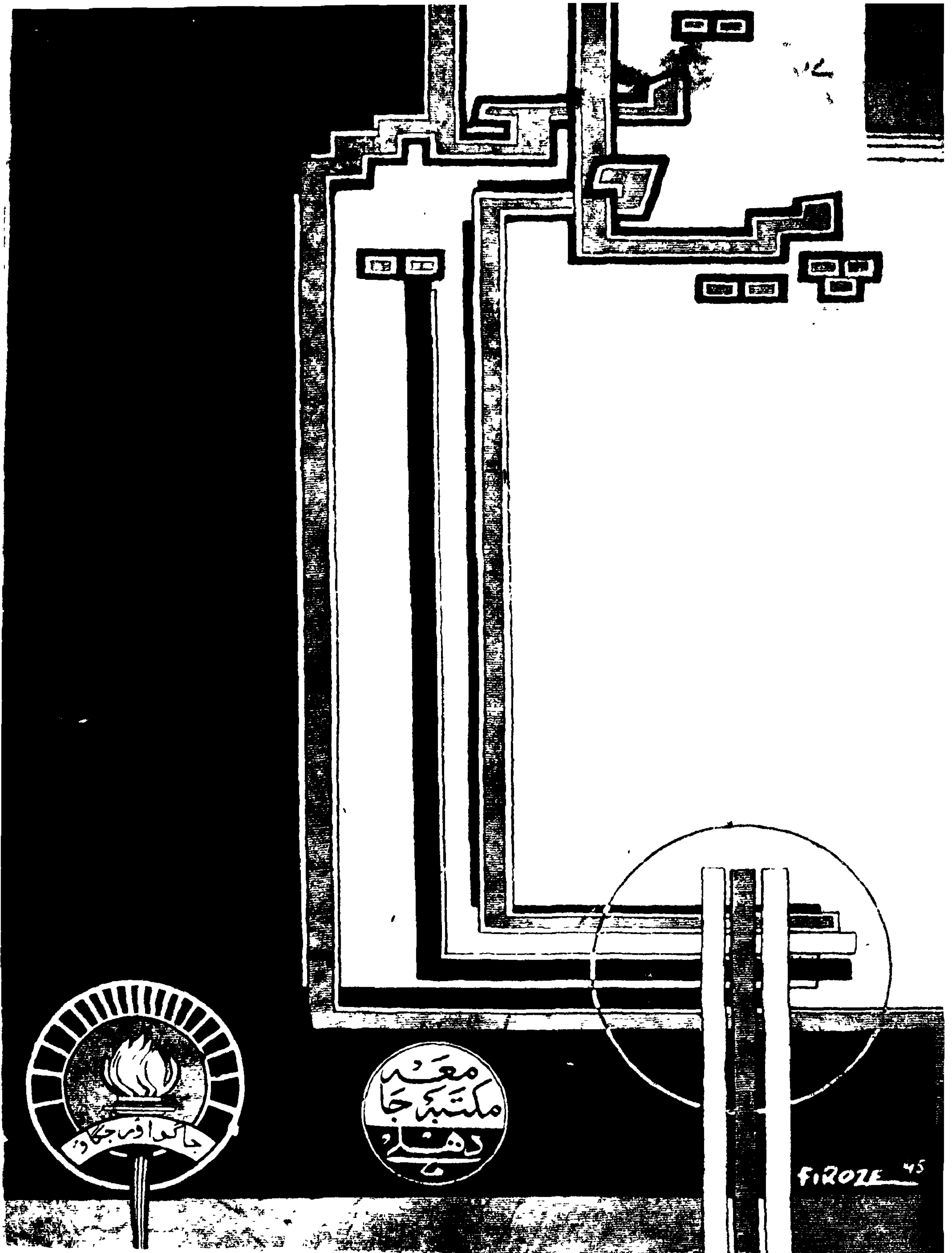
میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ صاف رہوں گا اور سچائی کو اپنا شعار بناؤں گا۔ مضبوط اور محنتی بنوں گا۔ بدی کی مخالفت کروں گا۔ نیکی کا ساتھ دوں گا۔ خدا کا ڈر اور اس کی مخلوق کی خدمت میری زندگی کا مقصد ہوگا۔

دستخط ....

پیام برادری کا عہد نامہ

میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ صاف رہوں گا اور سچائی کو اپنا شعار بناؤں گا۔ مضبوط اور محنتی بنوں گا۔ بدی کی مخالفت کروں گا۔ نیکی کا ساتھ دوں گا۔ خدا کا ڈر اور اس کی مخلوق کی خدمت میری زندگی کا مقصد ہوگا۔

دستخط ....


جاگو اور جگاؤ
مکتبہ جامعہ
دہلی
FIROZE 45

بچّوں کا کتب خانہ

بچوں کے ادیب مجیبی صاحب کی کتابیں

الف لیلہ کے افسانے

الف لیلہ کی کہانیوں کا خلاصہ بچوں کے لئے

پہلا حصہ۔ شہرزاد اور دوسری کہانیاں ۸ر

دوسرا " حرکت میں برکت " " ۸ر

تیسرا " مرجینا " " عہ ر

چوتھا " سچی بہادری " " ۸ر

پانچواں " گلنار بیگم " " ۸ر

چھٹا " سنہرے گ... " ۸ر

متفرق کہانیوں کی کتابیں:۔

سنہری ڈھنٹی اور دوسری کہانیاں ۵ر

نادرہ ۵ر

کہانی نانی کی زبانی۔ از مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی ۸ر

دُردانہ اور دوسری کہانیاں ۸ر

چند اسلامی کتابیں:۔

اچھی کہانی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی ۸ر

نیا میلاد۔ بچوں اور کم پڑھے لکھوں کے لئے ۸ر

یارانِ نبی۔ خلفاء اربعہ کی سیرتیں۔ ۶ر

ستارے۔ مشہور اور بڑے مہاجرین اور انصار صحابہ کی سیرتیں ۸ر

آزاد بک ڈپو کی کتابیں:۔

کائناتِ عرب۔ جزیرہ نمائے عرب کے جغرافی تمدنی اور تاریخی حالات ۶ر

جانورستان۔ جانوروں کے دلچسپ حالات۔ ۸ر

نصیحت کا کرن پھول تعلیم، تربیت پر بڑا اثر افسانہ۔ ۸ر

بازیچہ۔ ملک میں استعمال ہونے والی سواریوں کے حالات۔ ۸ر

محبّت کا پھول۔ ملک تسنگ کی شہزادی کا دلچسپ قصہ۔ ۵ر

پرِ پرواز۔ ایک جانباز مور اور بے پرواہ کبوتر کا مقابلہ۔ ۵ر

آسمانی دولھا۔ چاند، سورج، سیاروں اور ستاروں کے حالات۔ ۱۲ر

آویزہ گوش دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ۔ ۸ر

ملاّ دو پیازہ۔ راجہ بیربر اور ملا دو پیازہ کے دلچسپ حالات۔ ۸ر

غنچہ حکمت۔ چھوٹے بچّوں کے لئے عقل و حکمت کے موتی۔ ۵ر

قیدی شیر۔ ایک نادان اور نفضول خرچ شیر کی کہانی ۵

ایک آنہ لائبریری

جادو کا شیشہ۔ کلکتہ، بمبئی وغیرہ کا مختصر حال ۰۳ر

جادو کا کوا۔ چار بہت دلچسپ کہانیاں ۰۳ر

مصطفٰے کمال۔ غازی مصطفٰے کمال کا حال ۰۳ر

کالو کی چالاکی۔ ایک دلچسپ کہانی ۰۳ر

یہاں اور وہاں ۰۳ر کیتلی کا دیو ۰۳ر

مکتبہ جامعہ دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی ۳

پیام تعلیم دہلی

دہلی، یوپی، سی پی، برار، میسور، رام پور، قلات، بنگال، حیدرآباد سندھ، کشمیر
پنجاب، بہار، اور سرحد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے
منجر

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

فہرست مضامین جنوری سنہ ۴۵ء — جلد ۲۷ نمبر ۴

قیمت سالانہ ۳ روپے

نمونے کا پرچہ ۴ر

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس، دہلی

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

پیامیوں کو نیا سال مبارک۔ پچھلا سال پیام تعلیم کے لئے کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا۔ امید ہے کہ اس سال ہم اپنی پچھلی کمی کو پورا کر سکیں گے۔ اور آگے قدم بڑھا سکیں گے۔

پیام تعلیم کے [illegible] اور بھی مبارک ہے کہ پیام برادری کو نئی زندگی بخشنے کا کام دوبارہ شروع ہو گیا ہے اور اب کی بار یہ مستقل پیمانے پر ہوگا۔

مشتاق احمد صاحب سے تو تم واقف ہو، یہ ہمارے بہت اچھے اور پرانے مضمون نگار ہیں اور پیام تعلیم کے لئے برابر لکھتے رہتے ہیں۔ انھوں نے پیام برادری کا کام اپنے ذمے لے لیا ہے اور بہت دلچسپی اور شوق سے اسے کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تمام پیامی اس کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔

اس مہینے سے معموں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا گیا ہے انعامات بھی بڑھا دئے گئے ہیں۔ بہت سے پیامیوں کے شکایتی خط آ رہے تھے۔ امید ہے کہ ان کی شکایت دور ہو جائے گی۔

معموں کے علاوہ دوسرے انعامی مقابلوں کے بارے میں بھی ہم سوچ رہے ہیں۔ خدا نے کیا تو جنوری سے ان کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔

پیامیوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ پیام تعلیم کے اور بچوں کے خاص شاعر مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر اب مستقل طور پر جامعہ میں آ گئے ہیں۔ نیّر صاحب کوئی اٹھارہ سال سے دلّی کے مشہور انگریزی مدرسہ ماڈرن ہائی اسکول میں اردو کے اُستاد تھے۔ مگر قومی خدمت کا جذبہ اور جامعہ کی کشش کچھ ایسی ثابت ہوئی کہ اس پریشانی کے زمانے میں انھوں نے نہ تو زیادہ تنخواہ کی پرواہ کی۔ اور نہ ماڈرن ہائی اسکول سے اتنے دنوں کا تعلق اُن کے راستے میں حائل ہو سکا۔ جامعہ بھی مطمئن ہے کہ اس کا ایک پرانا فرزند پھر اس کی گود میں آ گیا۔

پیام تعلیم جس چھاپے خانے میں چھپتا ہے اس کا نام محبوب المطابع ہے۔ اس کے مالک مرزا محبوب بیگ صاحب نہایت نیک اور خوش اخلاق بزرگ تھے اور جامعہ کا کام بہت دلچسپی سے کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ پچھلے مہینے ان کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اب مرزا مرحوم کی جگہ ان کے عزیز اُن کا کام سنبھال رہے ہیں۔ مگر چھاپے خانے کا کام اتنا بڑھ گیا ہے اور اخباروں اور رسالوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو گئی ہے کہ ان کے لئے رسالے کو وقت پر چھاپنا مشکل ہو گیا ہے۔ پھر بھی انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں رسالے کو وقت پر لے آئیں گے۔

سال کے بارہ مہینے

مولانا محمد شفیع الدین صاحب نیر

جنوری میں ہم نے یہ مانگی دُعا اللہ سے
یا خُدا! اس سال کام اپنا کریں ہم چاہ سے

کام ہم نے فروری اور مارچ میں دل سے کیا
ہوگئے ہم پاس محنت کا یہ پھل ہم کو ملا

آتے ہی اپریل کے تبدیل موسم ہوگیا
یعنی گرمی جاگ اُٹھی اور جاڑا سو گیا

پھر مئی اور جون میں دھوپ ایسی شدت کی پڑی
سوکھ کر کانٹا بنی جنگل کی ہر بوٹی جڑی

جون جولائی میں بادل ہر طرف چھانے لگے
ہر طرف چھانے لگے مینہہ خوب برسانے لگے

جب اگست آیا تو جنگل سبز تھا شاداب تھا
جس طرف دیکھو بھرا پانی سے ہر تالاب تھا

ہوگیا ماہِ ستمبر میں تپ ولرزے کا زور
ہر طرف ملیریا کا مچ گیا عالم میں شور

ماہِ اکتوبر میں پھر موسم نے پایا اعتدال
اب نہ گرمی کی اذیت اور نہ سردی کا وبال

پھر نومبر اور دسمبر میں ہوا سردی کا وار
اس طرح سے ہوگیا بارہ مہینوں کا شمار



صفّو دادا

بچّوں کے ادیب مجلبی صاحب

ہمارے محلّے میں ایک بڑے میاں تھے انھیں سب صفّو دادا، صفّو دادا کہا کرتے تھے۔ بچارے غریب ہی آدمی تھے اور کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ یوں تو کسانوں میں بھی بہتیرے خاصے رُپے پونجی والے ہوتے ہیں مگر صفّو دادا بڑے ٹبّر کُنبہ والے آدمی تھے۔ کچھ نہیں۔ کچھ نہیں کوئی آدھا درجن تو اُن کے بیٹے ہوں گے، اور نہ ہوں گے نہ ہوں گے تو کوئی دو درجن اُن کے پوتے پوتیاں! تو یوں وہ، جو کماتے گھر کے دوزخ میں سب نونفنا ہو جاتا۔ جُڑ کچھ نہ پاتا۔

مگر واہ رے صفّو دادا! اتنا بڑا کُنبہ اور کُل دو ہل کی کھیتی۔ پر نہ جانے کیا بات تھی کہ صفّو دادا اور اُن کا پورا کُنبہ ہمیشہ خوش خوش ہی نظر آتا تھا۔ دوسرے کسانوں کو ہم نے روتے اور مُنہ بسورتے ہی پایا لیکن صفّو دادا سے جب پوچھا تو انھوں نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میاں خدا کا شکر ہے، اُس کا احسان ہے، ہماری پیداوار تو بہت اچھی رہی۔ صفّو دادا پر دوسرے کسانوں کی طرح نہ مہاجن کا قرضہ رہتا نہ زمینڈار کا لگان باقی رہتا۔

اور جناب، صفّو دادا کی صفائی سُتھرائی ساری بستی میں مشہور تھی۔ بعضے ہنسوڑ قسم کے لوگ تو صفّو دادا کی صفائی سُتھرائی کے بارے میں کچھ مزے دار لطیفے بھی گھڑا کرتے تھے۔ مگر سچ یہ ہے اُن کی صفائی اور اُن کے سُگھڑاپے کا ہر کوئی قائل تھا۔

صفّو دادا نماز روزے کے بھی پابند تھے۔ وہ خود، اُن کے سب لڑکے اور پوتے، پیلے رنگ کے تہبند باندھا کرتے تھے۔ یہ پیلا رنگ وہ ہارسنگھار کے پھولوں سے نکالتے تھے۔

ہارسنگھار، چھوٹا سا ایک پیڑ ہوتا ہے، پان کی شکل کے اُس کے پتّے ہوتے ہیں۔ شروع جاڑے میں، یا یوں سمجھئے اکتوبر کے مہینے میں اُس میں ننّھے ننّھے پھول آتے ہیں۔ پھولوں کی سفید سفید

پنکھڑیاں اور ان میں ذرا ذرا سی ڈنڈیاں ۔ اُن کی ڈنڈیوں کو پانی میں جوش دے لیتے ہیں تو بہت اچھا پیارا پیارا رنگ بن جاتا ہے

خیر تو وہ کھیت پر کام کرتے میں تہبند اوپر چڑھا لیتے ، نماز کا وقت آتا تو ایک ایک تہبند کو نیچے ڈال ، وضو کر ، نماز پڑھنے کھڑا ہو جاتا ۔ جمعہ کے دن صفّو دادا کا کُنبہ ہم سب کا تماشا ہوتا ۔ سب کے سب پیلے پیلے تہبند باندھے ، سفید اُجلے اُجلے گاڑھے کے سلوکے پہنے اور سر پر چھوٹے چھوٹے سے صافے باندھے مسجد میں جدھر دیکھو بس صفّو دادا ، صفّو دادا ہی نظر آتے تھے

بیساکھ ، جیٹھ یعنی مئی ، جون کی گرمی کہ چوٹی کا پسینہ ایڑی کو آتا ہے اور دھوپ سے تڑاقے کو دیکھ دیکھ جی سہما جاتا ہے ۔ مگر واہ رے صفّو دادا ایسی کڑی دھوپ اور کھیتی کے کاموں میں اُن کی وہی دوڑ دھوپ ! خاص بات یہ ہے کہ اسی زمانے رمضان شریف پڑتا تو روزہ بھی ایک نہ چھوٹتا !

صفّو دادا بہت ہی سگھڑ آدمی تھے ۔ وہ اپنے کھیتوں میں بیج ڈانڈے یا کیاریاں رسّی تان تان کے بالکل سیدھے سیدھے بنایا کرتے تھے ۔ اُن کے کھیت اور کھیتوں کی کیاریاں بھی دیکھنے کی چیز تھی

وہ اپنے مویشی کا گوبر ادھر اُدھر نہ جانے دیتے اور بیلوں کے آگے کی بچی کچی کُتی بھی ۔ ان دونوں کو ملا کے وہ اُپلے تھوپ لیتے تھے ۔ اُپلے سی چیز ، پر صفّو دادا کے اُپلے بھی دیکھنے کے لائق ہوتے ۔ خوب موٹے موٹے کہ صبح سے سُلگنا شروع ہوئے تو شاموں شام تک چلے ۔ پھر سب ایک ناپ کے ، بالکل گول گول ، جیسے سانچے میں ڈھلے ہوں ۔

آخر عمر میں صفّو دادا نے یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاس ہی کے ایک تکیے (قبرستان) میں ایک سلیقے کی جھونپڑی ڈال لی تھی ۔ اب وہ دن رات وہیں رہا کرتے تھے اور ہر وقت بس اللہ اللہ کیا کرتے تھے اب اُنھیں لوگ صوفی عالم خاں ، صوفی عالم خاں کہا کرتے تھے ، کیونکہ ان کا اصلی نام عالم خاں ہی تھا صفّو دادا تو لوگ اُن کی صفائی ستھرائی کی وجہ سے کہا کرتے تھے ۔ ہاں کوئی کوئی اُنھیں صوفی دادا یا پھر صفّو دادا ہی کہا کرتا ۔

نماز ، روزے ، نفلوں اور طرح طرح کے وظیفوں کے سوا صوفی دادا کا ایک وظیفہ تو ہر دم جاری رہتا چاہے بیٹھے ہوں یا لیٹے ، سوتے ہوں یا جاگتے ۔ آپ کو اچنبھا ہوگا کہ یہ ایسا کون سا وظیفہ تھا بھلا ؟

دیکھیے ، آدمی جب سانس لیتا ہے نا ، تو ایک سانس پیٹ کے اندر جاتا ہے اور ایک پیٹ سے باہر آتا ہے اور منھ کی راہ نکل جاتا ہے ۔ صوفی دادا اندر جانے والے سانس کے ساتھ تو اللہ کہا کرتے اور باہر آنے والے سانس کے ساتھ "ہو" ۔ یہ ویسے تو

چپکے ہی چپکے کیا کرتے پر کبھی کبھی نہ جانے کیا بات ہوتی کہ صفو دادا جوش میں اندر کا سانس بھرتے ہوئے ایک خاص طرح "اللہ" خاصی اونچی آواز میں کہا کرتے؟ یہ اکثر ہوا کرتا۔ کبھی باتیں کرتے کرتے ایک دم اسی ترکیب سے "اللہ ہو، اللہ ہو" کیا کرتے۔ اکثر رات میں دور دور تک یہ آواز سنائی دیتی اور لگاتار دیر تک۔ بڑے تو سن سن کے چپ ہی رہتے، بچے سنتے تو چیخ اٹھتے: صفو دادا، صفو دادا! دیکھئے۔ ایک بات یہاں لگے ہاتھوں اور بتادوں اس وظیفے کو "پاس انفاس" کہتے ہیں۔ اللہ والوں اور صوفیوں، درویشوں نے یہ خاص کر دل کی صفائی کے لئے نکالا تھا۔ اس وظیفے کی جب بتات اور خوب مشق ہو جاتی ہے تو سوتے جاگتے یہ آپ ہی آپ جاری رہتا ہے۔ یہی حال صفو دادا کا تھا۔

بہت دن ہوئے کہ صفو دادا جنت کو سدھارے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اب بھی کبھی کبھی یہ "اللہ ہو" کی آواز سنائی دیتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ یہ آواز دیر تک لگاتار سنائی دی، جیسے کہ ان کی زندگی میں۔ لوگ دوڑتے ہوئے صفو دادا کی جھونپڑی تک گئے۔ لیکن اب وہاں کون تھا جو ملتا۔ سب کا خیال ہے یہ آواز صفو دادا کی قبر سے آیا کرتی ہے!

اللہ اللہ، صفائی ستھرائی، محنت اور سچی لگن اور کام کرنے کی دھن بھی کیا انمول دولت ہے! خیال تو کیجئے ایک معمولی کسان، لیکن مرے پیچھے اس کی یہ شان! مرے پیچھے ہی کیا صفو دادا کو لوگ ان کی زندگی ہی میں ولی مانتے تھے اور دور دور سے لوگ کھنچے چلے آتے۔

یوں تو صفو دادا کے یہاں آنے جانے والوں کی کمی نہ تھی۔ لوگ تو انھیں گھیرے ہی رہنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کو زیادہ ٹکنے نہیں دیتے تھے۔ کہا کرتے: "میاں! اپنا کام ٹھیک سے کیا کرو۔ جو محنت سے جی چراتا ہے وہ کمائے گا کیا گھر کا بھی کھو ڈالتا ہے! بس یہی اصل ہے۔ دنیا کے کاموں میں بھی اور دین کی باتوں میں بھی ——— بس، ہم تو یہی جانتے ہیں۔ اور باتیں مولوی احیا (یحیٰی) صاحب سے جا کر پوچھنا۔ وہ عالم ہیں، دیوبند کے پڑھے ہوئے اور کبھی گنڈے تعویذ کرنا اور جھاڑ پھونک ہمیں نہیں آتا بس محنت کیا کرو محنت! یاد رکھو محنت کا پھل کبھی نہیں مارا جاتا!"

اور آپ جانیں "تن پاک تو من پاک" کسی نے سچ ہی کہا ہے





بچوں کا میلا



یہ نظم ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی نے پچھلے میلے کے سلسلے میں لکھی تھی
جامعہ میں میلا جامعہ گھر کے بچوں کی طرف سے ہر سال [illegible] کے بعد ہوتا ہے (ایڈیٹر)

پہلے سے کیا بتائیں کہ کیا کیا دکھائیں گے
آپ آیئے تو بچوں کا میلا دکھائیں گے

بچوں نے جامعہ میں بنائی ہے اک بہشت
اس بہشت کا وہ نظارا دکھائیں گے

علم و ہنر کا چشمہ جو پھوٹا ہے اک نیا
کس رخ کو بہہ رہا ہے وہ چشمہ دکھائیں گے

پروانوں کا ہجوم ہے جس شمع پر یہاں
ہم آپ کو وہ انجمن آرا دکھائیں گے

فرزند جامعہ کے اداکار جس میں ہیں
میلے میں آپ کو وہ ڈراما دکھائیں گے

قوالیاں سنائیں گے کچھ سامعہ نواز
دلچسپ کچھ نٹوں کا تماشا دکھائیں گے

آپ آگئے جو بچوں کی دکان کی طرف
بچے تمام بیچ کے سودا دکھائیں گے

کچھ شاعری کا شوق طبیعت میں ہے اگر
بچوں کی بیت بازی کا جلسا دکھائیں گے

القصہ جامعہ کے یہ دیوانے آپ کو
اک اچھی زندگی کا نمونہ دکھائیں گے

کالی ماکونیڈا

۲

محمد حسین حسان

ہوتا یہ تھا کہ آگے آگے گائیں آتی تھیں۔ بہت خاموشی سے۔ جیسے دن بھر گھومنے پھرنے کے بعد گھر لوٹنے پر خوش ہیں۔ اُن کے پیچھے بڑے ابّا تشریف لاتے تھے قدم قدم پر ٹھہرتے، ڈکراتے، غصّے میں کھروں سے دھول اُڑاتے۔

اس وقت ننھا کالی ماکونیڈا ایک چھوٹی سی قمچی لے اُن کے سامنے آتا۔ آہستہ آہستہ اُن کی ناک پر مارتا اور ذرا زور سے کہتا: بڑے ابّا بھلا یہ بھی کوئی بات ہے بھلا کوئی اپنے بھی خفا ہوتا ہے۔ دیکھئے میں نے دن بھر آپ کو سیر گشت کرایا۔ کیسی میٹھی میٹھی گھاس کھلائی آپ کے لئے اتنا لمبا دن جنگل ہی میں گذار دیا۔ کیا میں اب بھی آرام نہ کروں؟ بڑے ابّا! اب آپ اپنے گھر جائیں تو میں اپنے گھر کا راستہ لوں"۔

اپنی اسی چھوٹی سی قمچی کے سہارے۔ وہ اس خوفناک جانور کو ہنکالاتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اس کے نتھنے کا چھلّا پکڑ لیتا اور بڑے ابّا ذرا بھی چوں چرا نہ کرتے

غرض وہ انھیں بہلا پھسلا کر اندر لے آتا۔ اُن کی موٹی سی گردن میں زنجیر باندھ دیتا۔ اور بہت احتیاط سے کوٹھری باہر سے بند کر دیتا۔ بس اس وقت ہم لوگ اطمینان کا سانس لیتے۔ اور درختوں سے نیچے اُترتے۔

کالی ماکونیڈا اسکول وسکول تو جاتا نہیں تھا۔ اس علاقے میں بچّوں کے پڑھانے کا رواج ہی کہاں تھا۔ وہ تو بس ایک چمڑے کے تھیلے میں دوپہر کا کھانا گلے کے پیچھے پیچھے سیدھا جنگل سدھارتا تھا۔ چمڑے کا یہ چھوٹا سا تھیلا بھی اسی کا بنایا ہوا تھا۔

وہ اپنے ساتھ بانسری بھی لے جاتا۔ ایسے سنسان جنگل میں جہاں سوائے چرند و پرند کے کوئی بھی بات چیت کرنے والا یا ہنسنے بولنے والا نہ ہو پہاڑ سا دن کاٹنا ایک مصیبت ہے۔ بس وہ بانسری بجا کر دل بہلاتا تھا۔ ویسے بھی تمام افریقی گانے بجانے کے بہت شوقین ہیں۔ اس کے پاس ایک اور ساز بھی تھا چھوٹا سا، کچھ کچھ ستار کے نمونے کا۔

کالی ماکو ینڈا اکثر کسی درخت کے سایے میں بیٹھ جاتا اور بانسری کی تانیں اُڑاتا یا یہ ساز بجاتا اور گاتا جنگل کے سناٹے میں یہ تانیں بہت ہی میٹھی اور سُریلی معلوم ہوتیں۔ کبھی کبھی جب بڑے ابا بہت کافی فاصلے پر ہوتے، میں اِن ننھے میاں کے پاس چلا جاتا اور بہت غور اور دلچسپی سے اُن کے گانے سُنتا رہتا۔

یہ بھی تو سُنو کہ یہ ننھے میاں گاتے کیا تھے۔ ہم نے سمجھنے کی بہت کوشش کی۔ کچھ کچھ باتیں سمجھ میں بھی آئیں مثلاً

"ہمارے بڑے ابا بہت خوب صورت ہیں اور بہت مضبوط ہیں۔"

"وہ تمام دُنیا کے لوگوں کو آسمان پر اُچھال سکتے ہیں۔"

"اُن کی ناک کا چھلا دھوپ میں سونے کی طرح چم چم کرتا ہے۔"

"خدا اُنھیں ہمیشہ زندہ سلامت رکھے۔"

یہ بڑے ابا ہمارے ننھے میاں کے اصلی باپ نہیں بلکہ یہی سانڈ صاحب تھے۔

غرض اس طرح ہنسی خوشی دن کٹ رہے تھے کالی ماکو ینڈا بھی بہت خوش تھا، مگر کچھ دنوں سے فارم کے لوگوں میں کچھ پریشانی سی پھیلی ہوئی تھی بات یہ تھی کہ بڑے ابا کا چڑچڑا پن دن بدن بڑھتا ہی جاتا تھا۔ اب اُنھوں نے ایک حرکت اور شروع کر دی تھی جب زیادہ غصے میں ہوتے تھے تو درختوں پر چڑھنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بالکل بندروں کی طرح۔ بعض جگہ سانڈوں کو بالکل بندھا رکھتے ہیں مگر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تو یہ سچ مچ پاگل ہی ہو جاتے۔

آخر ایک دن وہی بات سامنے آئی جس کا ہمیں بہت دنوں سے ڈر تھا۔ ہمیں بڑے ابا کے ڈکرانے کی آواز آئی۔ اور سب بندروں کی طرح جلدی جلدی درختوں پر چڑھ گئے۔ بس ایک آدمی رہ گیا۔ ہم نے اس جانہار کو زور زور سے آوازیں بھی دیں۔ اپنے کام کی دُھن میں اس نے سُنا نہیں یا شاید ... اس کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ ابھی اتنا موقع ہے کہ اپنا کام ختم کر لوں مگر وہ تو چند ہی سکنڈ دن کی بات تھی۔ سانڈ اس بے چارے پر ٹوٹ پڑا اور سینگوں پر اُٹھا کر دور پھینک دیا۔ لوگوں کی نگاہیں چاروں طرف ننھے چرواہے کو ڈھونڈ رہی تھیں، اور پوری طاقت سے چیخ رہے تھے۔ "کالی ماکو ینڈا" "کالی ماکو ینڈا" یہ آوازیں اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔

وہ آدمی اب تک لیٹا تھا نہ ہلتا نہ ڈُلتا اس میں سانس ہی کہاں تھی۔ بے چارے کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ سانڈ دوبارہ اُس پر جھپٹا۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ کالی ماکو ینڈا ایک ننھے چیتے کی طرح نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا سانڈ کے سامنے آگیا اور بولا:

"بڑے ابا، بڑے ابا خدا کے لئے مجھے ذلیل نہ کرو،

تمھیں حملہ کرنا ہے تو میں موجود ہوں، مجھ پر حملہ کرو۔"

سانڈ نے بالی پچانی آواز سنی تو پلٹ پڑا۔ اب کے اُس نے ننھے چرواہے کو بھی معاف نہیں کیا اس پر تو خون سوار تھا، وہ کالی ماکو ینڈا کے پیچھے بڑی تیزی سے دوڑا۔ ہم لوگ درختوں پر بیٹھے کانپ رہے تھے۔ کالی ماکو ینڈا نے بھی اس وقت اُمید سے کہیں زیادہ تیزی دکھائی۔ انھیں خوب خوب دوڑایا۔ کبھی اونچے سے ٹیلے پر پہنچ جاتا، پھر نیچے آجاتا، کبھی تیر کی طرح اُن کے سامنے سے نکل جاتا۔ غرض بڑے ابّا کو کافی تھکا دیا۔ بھلا بڑے ابّا اتنے بھاری بھرکم جسم کے ساتھ اس ننھے چیتے کا کہاں تک پیچھا کرتے۔ بے چارے ہانپنے لگے۔ غصہ وصہ سب رفو چکر ہوا۔ اس عرصے میں بہت سے لوگ آگئے اور انھوں نے انھیں فارم سے باہر بہت دور ہنکا دیا۔

ہم لوگ درختوں سے اُترے۔ اس آدمی کی ناگہاں موت کا سبھی کو رنج تھا۔ ساتھ ہی کالی ماکو ینڈا کی بہادری پر ہر شخص دانتوں میں اُنگلیاں دبا رہا تھا۔ ہم ننھے بہادر نے آج کمال کر دکھایا تھا۔

آج کے حادثے کا سبھوں پر اتنا اثر تھا کہ اُسی وقت سانڈ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ یعنی یہ کہ اس کے گولی مار دی جائے۔ اس کا زندہ رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا مگر!——

کالی ماکو ینڈا —— فارم کا مالک خوب جانتا تھا کہ اس بات سے ننھے چرواہے کے دل کو کیسا دھکا لگے گا۔ مگر یہ بات تو بہر حال ہونا ہی تھی آج نہیں کل وہ کالی ماکو ینڈا کو اس کی بہادری پر ایک تمغہ دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اور بھی کہ شاید اس طرح اس کے کچھ آنسو پُنچھ جائیں۔

اس کے پاس ایک چھوٹا سا چاندی کا تمغہ تھا۔ یہ اسے گایوں کی ایک نمائش میں ملا تھا۔ تمغے کے ایک طرف سانڈ کا سر کھدا تھا۔ اتفاق سے یہ سانڈ بھی بڑے ابّا کی نسل سے تھا۔ بالکل وہی شکل وہی شباہت فارم کے مالک نے طے کیا کہ بس یہی تمغہ کالی ماکو ینڈا کو انعام میں دیا جائے۔ ننھے چرواہے کی نظر میں یہ بہت انمول ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کالی ماکو ینڈا کو بلایا، اس کی طرف دیکھ کر کہا: "بھئی ننھے میاں تمھیں [illegible] ابّا کے بارے میں بہت بُری خبر سنانا [illegible] اُن کی خیریت نہیں۔ اب اُنھیں ایسی جگہ بھیج دیا جائے گا، جہاں سے وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچا [illegible]

کالی ماکو ینڈا اس کا مطلب اچھی طرح [illegible] آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے اس [illegible] رخساروں پر ڈھلک آئے۔

فارم کے مالک نے کہا: "مگر تم نے آج [illegible] دکھائی ہے میں اس پر انعام دینا چاہتا [illegible] ادھر دیکھو یہ تمھارے بڑے ابّا کی تصو[illegible]

کھو نہ گئی تو اسی طرح برقرار رہے گی اور تمھیں ہمیشہ تمہارے ابا کی یاد دلاتی رہے گی ۔

یہ کہہ کر اُس نے تمغہ ننھے کالی ماکو بینڈا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس وقت کالی ماکو بینڈا کا چہرہ کسی نے مشکل ہی سے دیکھا ہو۔ اس نے تمغہ لے لیا اور ایک لفظ کہے بغیر وہاں سے چلا آیا۔

دوسرے دن فارم کے مالک نے حکم دیا کہ ننھا چرواہا فارم کے بالکل دوسرے کنارے بھیج دیا جائے تاکہ گولی کی آواز نہ سننے پائے ۔ مگر اس کی ضرورت پیش نہ آئی۔ کالی ماکو بینڈا کل جھٹپٹے سے پہلے ہی تمغہ گلے میں ڈال، اپنی بانسری اور دوسری چھوٹی موٹی چیزیں لے گھر جا چکا تھا۔

(انگریزی سے)

بچوں کی نئی کتابیں (ریویو)

جناب اویس احمد صاحب ادیب کی چند ننھی منی کتابیں ہمارے پاس ریویو کے لئے آئی ہیں (۱) شیخ چلی کی کہانیاں (۲) چالاک آدمیوں کی کہانیاں (۳) مختلف کہانیاں (۴) بادشاہوں کی کہانیاں ۔ ہر کتاب سولہ صفحے کی ہے اور اس میں اتنی ہی کہانیاں ہیں۔ ایک صفحے پر ایک کہانی آئی ہے ۔ اویس صاحب نے یہ حرف آٹھ برس کے بچوں کے لئے لکھی ہیں اس لئے ان کی زبان بہت صاف اور انداز بیان بہت سادہ اور دلچسپ ہے ۔ انھوں نے ہر کہانی کے آخر میں نتیجے کے طور پر جو نصیحت آمیز فقرے بھی لکھے ہیں ۔ یہ طریقہ اب فرسودہ ہو گیا ہے ۔ علاوہ اس کے یہ نصیحت آمیز باتیں کہیں کہیں بے محل اور مضحکہ خیز بھی ہو گئی ہیں۔ بعض کہانیاں ایسی بھی ہیں کہ اگر وہ درج نہ کی جاتیں تو ان کتابوں کی دلچسپی میں کوئی کمی نہ آتی۔ مثلاً دو شیخ چلی ۔ بدمزاج شیخ چلی ۔ وغیرہ ۔ کتابوں کی لکھائی چھپائی اور کاغذ اس مہنگائی کے زمانے میں بہت بہتر ہے۔ ہر کتاب کی قیمت ۲ر ہے۔ اور غالباً نولکشور پریس سے مل سکتی ہے۔

ننھی منی کہانیاں ۔ بچوں کے ادیب جناب الیاس احمد صاحب مجیبی نے اس کتاب میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کہانیاں جمع کر دی ہیں ان کہانیوں میں سے کچھ تو ہندوستان کے بہت مشہور مشہور لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جیسے مولانا حالی ڈاکٹر مولوی عبد الحق ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین (شیخ الجامعہ) ڈاکٹر سید عابد حسین ۔ پروفیسر محمد مجیب وغیرہ کچھ ان لوگوں کی جنھوں نے بچوں کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے ۔ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کی ایک نظم بھی ہے۔ ان کہانیوں کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں سبھی اچھی ہیں، دلچسپ ہیں۔ ادیبا ما اور دوسرے آرٹسٹوں کے بنائے ہوئے چند کارٹون بھی ہیں ۔ انھوں نے کتاب کی دلچسپی کو اور بڑھا دیا ہے کتاب کا کاغذ اور لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے اور ٹائٹل تو بہت ہی خوب صورت ہے۔ قیمت ۴ر۔ بچوں کا بک ڈپو کلاں محل دہلی سے ملے گی۔ مکتبہ جامعہ دہلی سے بھی مل سکتی ہے۔

بچّوں کا مشاعرہ

چند سال سے جامعہ میں عید کا میلا بھی ہوتا ہے۔ یہ میلا جامعہ کے بچوں کی طرف سے بہت شان دار طریقے سے منایا جاتا ہے۔ اس سال بھی عید کا میلا بہت دھوم دھام سے ہوا۔ اب کی پروگرام کئی دن کا تھا۔ بازار کے علاوہ تعلیمی نمائش، کھیل تماشے، [illegible] کا مظاہرہ، ڈراما، بیت بازی، بچّوں کا مشاعرہ۔ غرض سبھی کچھ ہوا۔ اور خوب ہوا۔ [illegible] محمد علی ٹرافی کے تحریری، تقریری اور ورزشی مقابلے بھی ہوئے۔ یہاں ہم بچّوں کے مشاعرے کی چند نظمیں شائع کر رہے ہیں۔ یہ مشاعرہ جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی کی صدارت میں ہوا۔ (ایڈیٹر)

بچّوں کا میلا

محمود علی خاں ثانوی اوّل۔ جامعہ نگر

آؤ بچو! میلا دیکھو — میلا دیکھو، غم کو بھلاؤ
میلے میں ہیں چیزیں اچھی — طرح طرح کی پکچی، پکی
کہیں ہیں بسکٹ کہیں کھلونے — کہیں پکوڑی، دہی بڑے ہیں
آؤ خریدیں چیزیں یہ سب — پھر چل کر ہم دیکھیں کرتب
لو ہوتی ہے پاس ڈرل بھی — بائی سکل بھی، پول ڈرل بھی
آہا! دیکھو مداری آیا — جھولا رکھ کر ٹھاٹھ جمایا
عجب تماشے لگا دکھانے — مٹک مٹک کر گانے گانے
آؤ چلیں اب گھر کو جائیں — وقت نہ کھوئیں، آؤ جائیں
رات کو آکر دیکھیں گے سب — دونوں ڈرامے اور چیزیں سب

بچّوں کا ہوٹل

محمد سلطان سندھی، ابتدائی ششم

آیئے بچوں کا ہوٹل دیکھیے — اس میں جو بکتا ہے سب کچھ دیکھیے
جامعہ کی سیر بھی کر لیجیے — اپنے بچّوں کی کرامت دیکھیے
داد دیجیے آکے اِن کے کام کی — حوصلہ افزائی اُن کی کیجیے
دیکھیے کس طرح کرتے ہیں یہ کام — زور ہے اُن پہ نہ جبر آ دیکھیے

دیکھیے سلطان بھی مصروف ہے
کتنا مسکین ہے بچارا دیکھیے



جامعہ کا نشان

جامعہ کا یہ نشاں ہے جو ہے تیرے مہرباں — اس نشاں سے آج ہیں چھوٹے بڑے سب قدرداں

ایک ہی اس پر ہلال اس میں لکھا ہے جامعہ — راہ میں تعلیم کی بنتا ہے سب کا رہنما

پھر ہیں اس میں دو کھجوریں اور اک قرآن ہے — دیکھیے قرآن یہ اللہ کا فرمان ہے

جامعہ کا یہ نشاں سوچا کسی نے خوب تھا — آج ہے یہ قوم کی آنکھوں کا تارا بن رہا

جس کا ہے یہ اک نشاں وہ ایک ذرہ تھی کبھی — آج دیکھو قوم کی آنکھوں کا تارا بن گئی

ہو گئی وہ جامعہ جس جا پہ ہے میلا لگا — کر رہے ہیں لوگ اس کو دیکھ کر کے واہ وا

اب دعا کو ہاتھ اٹھاؤ اور کچھ کر لو دعا — جامعہ کو دے ترقی اس سے زیادہ اے خدا

اب فقط انور کی خواہش ہے بس لو صاحبو

جامعہ کو اور اس کے کام کو تم دیکھو

اوکھلے میں آگ

یہاں محو پڑھنے میں تھے سارے لڑکے — سبق پڑھ رہا تھا کوئی پڑھ چکا تھا

کہ اتنے میں سیٹی کی آواز آئی — مکان اوکھلے میں کوئی جل رہا تھا

بجھانے کو آگ اٹھ کے سب لوگ دوڑے — دلوں میں بس ایک جوش تھا جو بھرا تھا

وہاں جا کے دیکھا تو مٹکے تھے خالی — بس اب اوکھلا کربلا بن گیا تھا

کنوئیں سے سبھوں نے نکالا تو پانی — مگر کب کہ جب جھونپڑا جل چکا تھا

پسنگیں دی مس کی سب نے دیکھیں

مگر کب کہ جب جھونپڑا جل چکا تھا

چیزوں کی ایک عجیب خاصیت

محمد انس۔ علی گڑھ

۲

میں نے جواب دیا "خیر تو آپ لوگ اپنے اپنے پیمانے سے ناپ لیجیے۔ جن کے پاس عقل ہو وہ عقل کے پیمانے سے ناپ لے، اور جس بے چارے کے پاس عقل نہ ہو وہ گز اور فٹ سے۔"

سب نے قہقہہ لگایا اور بھابی چپکی ہو رہیں۔

میں نے کہا "تو صاحب جہاں سائنس داں بڑی بڑی چیزوں کا پتہ لگاتے رہے اور انھوں نے ریل، موٹر، ہوائی جہاز، ریڈیو، اور بڑی بڑی مشینیں ایجاد کیں، وہاں انھوں نے معمولی سے معمولی بات پر اس قدر غور کیا کہ وہی معمولی باتیں اب ہمیں عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہر چیز اور ہر شے میں ایک خاصیت ضرور پائی جاتی ہے جسے سائنس دان جمود کہتے ہیں۔ جمود کا مطلب دیکھیے تو ہے سکون۔ بے حرکتی۔"

"یعنی اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلنا۔" باسط بولے

"ہاں بالکل ٹھیک۔ لیکن سائنس دانوں کے نزدیک جمود کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے آپ ہی اپنی حالت کوئی میں تبدیلی نہیں کر سکتی۔ یعنی اگر وہ کہیں چپ چاپ پڑی ہو تو اپنے سے آپ حرکت نہیں کر سکتی ہے۔ اور اگر حرکت کر رہی ہو تو آپ سے آپ اس کی حرکت بند نہیں ہو سکتی ہے۔ یا یوں کہہ لو کہ چپ چاپ پڑی ہوئی چیز اپنی جگہ بس چپ چاپ پڑی رہے گی اور حرکت کرتی ہوئی چیز حرکت ہی کرتی رہے گی۔ بس شرط یہ ہے کہ کوئی باہری طاقت اسے نہ چھیڑے۔"

زبیر کہنے لگے "باہری طاقت کا کیا مطلب؟"

میں نے کہا "واہ بھئی واہ یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ مثلاً یہ لوٹا یہاں رکھا ہوا ہے اور اس میں کوئی حرکت نہیں تو جب تک کوئی اور طاقت سے ادھر ادھر نہ کرے یہ یوں ہی پڑا رہے گا کیونکہ اس کے اندر خود تو کوئی ایسی طاقت ہے نہیں کہ اپنی

جگہ سے ذرا بھی حرکت کر سکے۔ اور باسط میاں بھلا تمھیں یاد ہے کہ آج صبح جب تمھاری کتاب کھو گئی تھی اور تم اسے تلاش کر رہے تھے تو تم نے کہا تھا کہ جن بھوت اٹھا نہیں لے گئے۔ خود سے کہیں اڑ نہیں گئی۔ پھر آخر ے کون لے گیا تو غالباً تمھارا مطلب یہی تھا کہ کتاب کے اندر خود تو کوئی ایسی طاقت تھی نہیں کہ وہ اپنی جگہ سے ہلے اس لئے ضرور کسی باہری طاقت نے اسے اپنی جگہ سے ہٹایا ہوگا۔ اب وہ طاقت خواہ جن بھوتوں کی ہو، خواہ ہوا کے چلنے کی۔ خواہ سعید میاں نے اپنی طاقت کا استعمال کرکے اسے ادھر ادھر کر دیا ہو۔“

”جی ہاں، جی ہاں میں سمجھ گیا۔“ زبیر نے سر ہلا کر کہا۔

”اچھا تو ایک چیز اور سمجھ لیجیے۔“ میں نے کہا ”وہ یہ کہ اگر کوئی شے ایک سمت سے دوسری سمت کو حرکت کر رہی ہو تو کسی باہری طاقت کی مدد کے بغیر اس کی حرکت کی سمت بھی نہیں بدلی جا سکتی۔ مثلاً اگر تم کسی گیند کو ٹھوکر مارو اور وہ اتر سے دکھن کی طرف لڑھکنے لگے تو جب تک کوئی دوسری طاقت اس کا رخ نہ بدل دے وہ اتر سے دکھن کی طرف ہی لڑھکتی جائے گی اور آپ سے آپ کبھی ایسا نہ ہوگا کہ وہ اتر سے دکھن کے بجائے پورب سے پچھم کی طرف لڑھکنے لگ جائے۔“

عزیز بول پڑے ”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر ہم کسی گیند یا پتھر کو اوپر کی طرف اچھالیں تو وہ اوپر ہی کو چلتا جائے گا اور زمین کو واپس نہیں آئے گا؟“

میں نے کہا ”بات تو تم نے بڑی عقل مندی کی کہی لیکن تم یہ بھول گئے کہ وہ گیند یا پتھر اپنے آپ زمین پر واپس نہیں آتا بلکہ اسے ایک اور باہری طاقت زمین کی طرف واپس لاتی ہے۔ اور وہ باہری طاقت ہے زمین کی کشش۔ اگر زمین اپنی طرف کھینچنا چھوڑ دیتی تو البتہ وہ گیند یا پتھر کبھی زمین پر واپس نہ آتا۔“

”اوہو میں زمین کی کشش کی طاقت کو تو بالکل بھول ہی گیا تھا“ عزیز نے سر کھجاتے ہوئے کہا

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم کبھی چلتی ہوئی ریل سے اترے ہو؟“

”جی نہیں“ سب نے کہا۔ باسط بولے ”میں کبھی اترا تو نہیں ہوں۔ مگر سنا ہے کہ بڑی زور سے دھکا لگتا ہے۔“

میں نے کہا ”بالکل صحیح ہے۔ میں تمھیں ایک مرتبہ کا ذکر سناتا ہوں۔ کوئی چھ سال کی بات ہے میں ماموں صاحب کے ساتھ پٹنہ سے آرہ کو جا رہا تھا۔ ریل جوں ہی آرہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم میں داخل ہوئی میں نے ڈبے کا دروازہ کھولا اور ذرا شیخی اور بہادری جتانے کے لئے چلتی ریل سے کود پڑا۔ وہ تو خیر ہوئی

کہ وہاں چند قلی کھڑے ہوئے تھے میں لڑھک کر
اُن میں سے ایک کی گود میں جا گرا۔ ورنہ اس دن



خبر نہیں تھی۔ بس اس دن سے میں نے کان پر
ہاتھ رکھ کر توبہ کی۔ اب کبھی چلتی ہوئی گاڑی سے
نہیں اُتروں گا۔ ماموں صاحب نے پہلے تو میرا
بہت مذاق اُڑایا اور گھر پہنچ کر سب کو میری حماقت
کی داستان سنائی پھر دوسرے دن اُنھوں نے مجھے
سمجھایا کہ چلتی گاڑی سے اُترنے میں دھکا کیوں
لگتا ہے، اور آدمی کیوں لڑھک جاتا ہے!

"کیا وجہ ہوتی ہے؟" عزیز نے پوچھا

میں نے جواب دیا "بات یہ ہوتی ہے کہ گاڑی
جس طرف کو جاتی ہے، اسی طرف اس میں بیٹھنے والے
کا جسم بھی جاتا ہے۔ اب جو وہ آدمی چلتی گاڑی سے
اُترے گا تو زمین پر پہلے اس کا پاؤں پڑے گا
اور اس کے جسم کا نچلا حصّہ تو زمین پر ٹکنے کی وجہ
سے رُک جائے گا لیکن بدن کے اوپر کا حصّہ گاڑی
کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا اور
اس کھینچا تانی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی مُنہ کے بل
زمین پر آ رہے گا۔"

"لیکن بہت سے لوگ تو آسانی سے چلتی
گاڑی سے اُتر جاتے ہیں۔ وہ آخر کیوں نہیں
مُنہ کے بل گر پڑتے ہیں؟" زبیر نے پوچھا۔

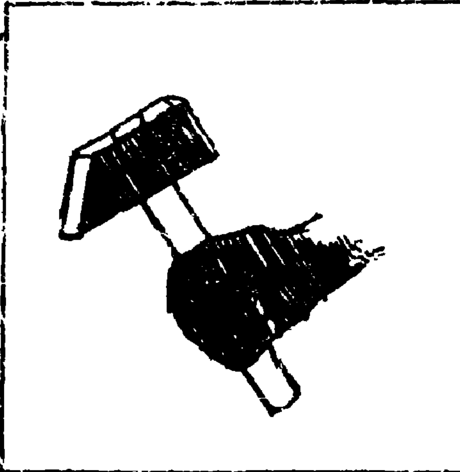


میں نے کہا "وہ لوگ کرتے یہ ہیں کہ گاڑی سے
اُترتے ہی جوں ہی پاؤں زمین پر لگے وہ گاڑی کے

کچھ دور تک دوڑتے ہیں۔ اس طرح جسم میں گاڑی کے ساتھ ساتھ جانے کی جو حرکت ہوتی ہے وہ کم ہوتی ہے اور پھر گرنے کا خطرہ نہیں رہتا تو جناب حمود کا قانون یہاں بھی موجود ہے۔ یعنی جسم کو گاڑی کی رفتار سے آگے بڑھنے کی حرکت ملتی ہے اور زمین پر پاؤں پڑتے ہی زمین اس حرکت کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی طرح سے اگر تم کسی ایسی گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہو جو چل نہ رہی ہو اور وہ گاڑی ایک دم سے آگے چل پڑے تو تم پیچھے کو لڑھک جاؤگے کیونکہ خود تمھارے جسم میں تو کوئی حرکت بھی نہیں اور گاڑی جب تک تمھیں آگے کھینچے تم لڑھک چکے ہوگے۔ ٹھیک یوں ہی اگر تم کسی چلتی گاڑی میں بیٹھے ہو، اور وہ ایک دم سے رک جائے۔ تو چونکہ گاڑی تو رک چکی ہوگی لیکن تمھارے جسم میں آگے بڑھنے کی حرکت باقی رہے گی، اس لئے تم آگے کو لڑھک جاؤگے"۔

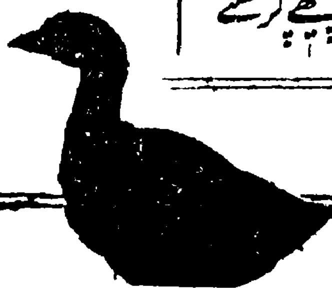
باسط نے سمجھتے ہوئے کہا "میں تو یہ سمجھا تھا کہ گاڑی ہلنے سے ہمارا جسم بھی یوں ہی ادھر ادھر ہلا جلا کرتا ہے۔ لیکن آپ نے یہ آگے پیچھے لڑھکنے والی بات خوب بتائی"۔

میں نے کہا "اچھا اب آپ لوگ میرے ایک سوال کا جواب دیجئے تو میں سمجھوں کہ آپ لوگ میری بات سمجھ گئے ہیں۔ اگر ہتھوڑی کا لوہا ڈھیلا ہو جاتا ہے تو اسے کسنے کے لئے لوگ لوہے والا سرا تو اوپر رکھتے ہیں اور ڈنڈی کو زمین پر ٹھونکتے ہیں اور اس طرح ہتھوڑی کی ڈنڈی لوہے کے سوراخ میں کس کر جم جاتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ سمجھ میں آتی ہے؟"



تھوڑی دیر سوچ کر عزیز میاں بولے "ہاں، دیکھئے میں بتاتا ہوں، چونکہ ہتھوڑی پٹکتے وقت لوہے والا سرا اوپر رہتا ہے اس لئے ڈنڈی تو زمین پر لگتے ہی رک جاتی ہے۔ لیکن لوہا اسی سمت میں یعنی زمین کی طرف اپنی حرکت جاری رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ڈنڈی اس کے سوراخ میں خوب اچھی طرح سما جاتی ہے۔ اور ہتھوڑی کس جاتی ہے۔

(باقی آئندہ)



بچوں کی کوششیں

صحبت کا اثر

از محمد طارق خاں طاہر خلیلی۔ عمر ۹ سال۔ ایبٹ آباد

کسی آدمی کے پاس ایک بہت اچھا باغ تھا۔ وہ روز باغ میں سیر کے لئے جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ باغ میں ایک مٹی کے تودے کے پاس سے گذرا تو اُسے اُس سے خوشبو محسوس ہوئی۔ بہت حیران ہوا مالی سے پوچھا، تو اس نے جواب دیا کہ " پہلے یہ گلاب کے پودے کے نیچے تھا۔ اس لئے اس سے ایسی اچھی خوشبو آتی ہے۔

ہوائی جہاز

از اختر عادل زبیری۔ مارہروی

ہوائی جہاز جسے ہم روزانہ ہوا میں اُڑتا دیکھتے ہیں اور جو موجودہ جنگ میں نہایت کثرت سے استعمال ہو رہا ہے۔ دراصل مسلمانوں ہی کی پُرانی ایجاد ہے۔ اسے بہت پُرانے زمانے میں ابوالقاسم شیرازی نے ایجاد کیا تھا۔

ایک روز یہ بیٹھا ہوا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور چیلوں، کوّوں کے اُڑنے پر غور کر رہا تھا۔ اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا انسان بھی ہوا پر اُڑ سکتا ہے۔ اس نے سوچتے سوچتے دو ایسے "پر" بنائے جو آدمی کے لگ سکتے تھے اور ان میں ایسی کلیں استعمال کیں جن کے ذریعے ہوا میں تھوڑی دور تک پرواز ہو سکتی تھی۔ جب یہ پر تیار ہو گئے تو اس نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی ایجاد کا حال بیان کیا اور مشاہدہ کرنے کے لئے پروں کو لگا کر اُڑا مگر وہ زیادہ اونچا نہ اُڑ سکا اور گر پڑا۔ اس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری بلکہ پھر کوشش شروع کی۔ آخرکار دوسری بار اس نے پہلی مرتبہ سے بھی اونچی پرواز کی اور صحیح و سلامت واپس

آگیا۔ اسی ایجاد کو ۱۹۰۳ء میں رائٹ بھائیوں نے دوسری شکل میں تبدیل کیا اور جتنا جتنا زمانہ بڑھتا گیا اس کی شکل میں نئی نئی جدتیں ہوتی گئیں۔ آج ہم طرح طرح کے جو ہوائی جہاز دیکھتے ہیں یہ سب دراصل اسی پرانی ایجاد کی بدلی ہوئی مختلف شکلیں ہیں۔

مشین کو چوہے کھا گئے

سراج احمد شمشی۔ کلکتہ

کسی زمانے میں ایک شہر میں خوش قسمت نامی سوداگر تھا جو درحقیقت بہت بدقسمت تھا۔ اس کا روبار ٹھپ ہوگیا اور اب اُس نے دوسرے شہر کا ارادہ کیا گھر کا تمام سامان تو بک ہی چکا تھا، صرف ایک لوہے کی وزن کرنے کی مشین باقی رہ گئی تھی۔ یہ مشین اُس نے اپنے ایک دوست کے پاس بطور امانت کے چھوڑی اور شہر کو روانہ ہو گیا۔ چند سال کے بعد جب واپس آیا اور اپنے دوست کے پاس مشین لینے پہنچا دوست نے جواب دیا کہ میں نے اسے بہت حفاظت سے رکھا لیکن ایک رات اُسے چوہے کھا گئے۔

خوش قسمت کو اس بات پر تعجب تو بہت ہوا مگر چپکا ہو گیا۔ ایک روز وہ اپنے دوست کے چھوٹے لڑکے کو دریا کی طرف لے گیا وہاں اُس نے اس لڑکے کو ایک غار میں چھپا دیا اور غار کا منہ ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا۔ اور دوست کے گھر آکر کہنے لگا کہ ایک عجیب حادثہ ہو گیا۔ تمھارا لڑکا دریا میں نہا رہا تھا کہ ایک باز اُسے اپنے پنجے میں دبوچ کر اُڑ گیا۔ دوست نے کہا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ میرا لڑکا مجھ کو واپس دو۔ ورنہ تم کو قاضی کے پاس لے چلوں گا۔

دونوں قاضی کے پاس گئے اور دوست نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ قاضی نے خوش قسمت کو حکم دیا کہ اس کا لڑکا واپس کرے۔ خوش قسمت نے عرض کیا کہ حضور اگر چوہے کی مشین کھا سکتے ہیں تو ایک باز لڑکا تو لڑکا ایک ہاتھی آسانی سے لے جا سکتا ہے۔

قاضی نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟

خوش قسمت نے پورا واقعہ بیان کیا۔ قاضی ہنس پڑا اور دونوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے کی امانت واپس کرے۔



ابوالہول کے بنانے والے

پروفیسر محمد عبدالغفور علی گڑھ

۲

مقبرے کے باہر والے کمرے میں کہیں کوئی نفیس گاڑی رکھی ہے۔ دفن کرنے والوں نے سوچا کہ اگر مردے کو اگلی دنیا میں گاڑی کی ضرورت ہو تو وقت نہ پڑے۔ اس کا بھی انتظام کر دیا گیا۔ کیسے حسین بیل بوٹے بنے ہیں۔ کتنا سونے اور ہاتھی دانت کا کام اور ان کے درمیان جگ مگ کرتے ہوئے رنگین شیشے۔ ان کے علاوہ کرسیاں میزیں سب ہی کچھ تو ہیں۔ ایک طرف ایک پیالا پڑا ہے۔ جس پر نہایت نفیس نیلے روغن کا کام کیا ہے۔ اس پر بادشاہ کا نام لکھا ہے۔ خدا جانے اس نے کتنی مرتبہ اس پیالے میں اپنے مہمانوں کا جام صحت پیا ہوگا۔ اس کے پاس ہی وہ لیمپ پڑا ہے۔ جس کی روشنی میں اس پیالے کی شراب بہتی ہوئی آگ کی طرح روشن ہو جاتی ہوگی۔ اس لیمپ میں فرعون کی ایک تصویر بھی بنی ہے۔ دن میں تو نظر نہیں آتی۔ مگر جب بتی جلائی جاتی ہے تو جھلملانے لگتی ہے۔ ایک طرف کچھ گلدان ہیں۔ ان میں کیا ہے۔

ارے یہ تو کچھ کاغذ سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ مُردوں کی کتاب ہے اور پیپرس (Papyrus) کے لمبے لمبے تختوں پر لکھی گئی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی تو ایک زمانے میں لوگ بھوج پتر، کیلے کی چھال اور خدا جانے کن کن چیزوں پر لکھا کرتے تھے۔ مصر میں بھوج پتر تو پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔ ہاں نیل کے کنارے پیپرس کے پودے ہوتے تھے۔ اس کی باریک باریک تہیں کاٹ کر جوڑ لیتے تھے۔ انھی کو پیپرس کہتے تھے انگریزی کا لفظ پیپر اسی سے تو نکلا ہے۔ پیپرس کتاب کی صورت میں تو ہوتا نہیں تھا۔ اس کے تختے لپٹے کی صورت میں لپیٹ کر رکھے جاتے تھے اور جزدان کی جگہ مرتبان استعمال ہوتے تھے۔ ان کی [illegible] کیا ہوتی ہوں گی۔ اچھے خاصے عطار خانے معلوم ہوتے ہوں گے۔ دیواروں پر دیکھیے تو بڑی دلچسپ تصویریں بنی ہیں۔ کہیں ننھے ننھے پرندوں [illegible] حوض کی تصویر بنی ہے۔ ہرے بھرے درخت

کے کنارے جھوم رہے ہیں۔ کسی ایسے ہی باغ کی ندی میں آسیہ بی بی نے حضرت موسیٰ کو بہتا ہوا پکڑ کر پالا ہوگا۔ اِدھر شاہی دعوت کا منظر ملاحظہ ہو۔ ایک خادم با ادب شراب کا پیالا پیش کر رہا ہے۔ دوسرے ہاتھ میں رومال ہے۔ کہتا ہے۔ حضور نوش جان کیجیے۔ آج ایسپانی لوگ انھی الفاظ میں اپنے عزیز مہمان کو پینے کی چیز پیش کرتے ہیں۔ جب پی چکیے۔ تو رومال سے منہ بھی صاف ہو رہا ہے۔ انھی کے برابر ایک صاحب برابر کنول کا پھول سونگھے جا رہے ہیں۔ پھول کیا سونگھ رہے ہیں۔ شراب پہ ناک چڑھا رہے ہیں۔ اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔ کہ ہمیں اس میں شراب کا لطف آرہا ہے۔ عورتوں کے گروہ میں تو وہ گپ ہو رہی ہے۔ کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ایک تو خاص انداز میں کانوں کی بالی ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہے۔ اور دوسرے اُسے دیکھ کر یہ کہتی معلوم ہوتی ہے اے اتنی خوب صورت۔ یہ کہاں سے بنوائی۔ دعوت کا کمرا کیسی کیسی خوب صورت چیزوں سے سجا ہے۔ ہلکے ہلکے گلدان نازک میزوں پر سجے ہوئے رہے۔ اس تصویر میں کیا غضب ہو گیا ایک رنگیلے مزاج کا جوان مزے میں آگیا ہے۔ کمرے کے درمیان میں ایک لکڑی کا چھوٹا سا ستون اور اس پر ایک خوش نما گلدان رکھا ہوا ہے۔ یہ جو زیادہ سرور میں آئے تو اس ستون سے ٹیک لگائی ہے۔ اور پھر اڑا اڑا دھم کے ساتھ سب چیزیں نیچے آرہی ہیں۔ عورتیں چلا رہی ہیں۔ بعض ہاتھ اوپر کو اٹھائے سر کے بچاؤ کی فکر میں ہیں۔ خیر کچھ بھی خیریت ہی گذری۔ کسی کے کوئی چوٹ نہیں آئی۔

بادشاہوں کے مقبرے تو خیر شان و شوکت کے ہوتے ہی ہوں گے۔ مگر ملکہ بیگموں کے بھی اُن سے کم نہ ہوتے تھے۔ مرنے کے بعد ہی نہیں۔ مرنے سے پہلے بھی مصر کی بیگمات اسی شان سے حکومت کرتی تھیں جیسے مرد۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے برابر کا درجہ آج کل کے زمانہ میں ہی ملا۔ لیکن پرانے مصر کے کھنڈرات کی دیواریں کیسی صاف زبان میں ہمیں بتاتی ہیں۔ کہ یہ سب غلط اچھا بتایئے! تاریخ میں سب سے پہلے بحری بیڑا کس نے بنایا۔ غیر ملکوں سے تجارت کس نے کی! مصر کی ایک ملکہ نے دنیا میں سب سے پہلے بیڑا اُسی نے بنایا۔ اور ملکوں، ملکوں اُسے لیے بھی پھری۔ جب بیڑا بنا۔ تو اُس میں ایک جرار فوج سوار ہوئی۔ جس کی کمان خود ملکہ کے ہاتھ میں تھی۔ مصر سے روانہ ہوئے۔ چلے تو دنیا بھر کو فتح کرنے کے ارادے سے تھے۔ جب شمالی لینڈ پہنچے۔ ملکہ کا ارادہ ہوا۔ کہ جہاز سے اُتر کر حملہ بول دے۔ لیکن شمالی لینڈ کا بادشاہ بھی انسانوں کا خوب پرکھنے والا تھا۔ بہت سے نادر

اور عمدہ تحفے لے کے خدمت میں حاضر ہوا ۔ کہیں آبنوس اور ہاتھی دانت کی خوب صورت چیزیں اور افریقہ کے ننھے منے بندر ۔ ان تحفوں کو دیکھ کر ملکہ بھول گئی اور بولی جانے بھی دو ۔ فتح کر کے کیا کریں گے ۔ غیر ملکوں میں تجارتی تعلقات اسی نے سب سے پہلے قائم کئے وطن لوٹ کر تھیبس کی اونچی پہاڑیوں میں ایک اونچا سا خوب صورت مندر بنایا جس کے تاریخی ستون اب بھی دریا سے نظر آتے ہیں ان دیواروں پر کئی تصویروں میں کہیں ملکہ سیر و سیاحت کو جا رہی ہے ، کہیں کہیں بھاری کشتیوں پر ملکہ کے حکم سے بنائے ہوئے پتھر کے سو سو فٹ لمبے ستون بہے جا رہے ہیں ۔ مندر کی دیواریں کیا ہیں ملکہ کے زمانے کی تاریخ کا پورا پورا آئینہ ہیں ۔ سب سے خوب صورت اور خوش نمائیت شہزادیوں کے ہیں اور پھر کلوپیٹرا دنیا کی سب سے خوب صورت ملکہ کا نام تو کس نے نہ سنا ہوگا ۔ اور کلوپیٹرا کی سوئیاں جانتے ہو ۔ یہ چار پہلو والے گاؤدم ستون ہیں ۔ جو مصر میں اکثر پائے جاتے ہیں ۔ تم دل میں ہنسو گے کہ یہ بھی خوب رہی ۔ کیا کلوپیٹرا انہیں اپنے خوب صورت کپڑوں پر نازک انگلیوں سے ایسی سوئیاں چلاتی ہوگی ۔ ان باتوں پر نہ جائیے ۔ ایسے قصے تو ہر ملک کے لوگ گھڑ لیا کرتے ہیں ۔ تم نے دلی میں فیروز شاہ کی لاٹ تو دیکھی ہوگی ۔ فیروز شاہ تغلق پہلے پہل جب اس کو امبالے کے قریب سے اکھڑوا کر دہلی لایا تو دلی والے بولے ارے بھئی اسے لاٹ کہتے ہیں ۔ یہ لاٹ کیسی ۔ یہ تو بھیم کی انگلی ہے جو کہیں کورک چھیتر کے میدان جنگ میں کٹ کر گر گئی ۔ مدتوں وہیں پڑی رہی اب کہیں مل پائی ہے ۔ اسی قسم کے قصے مصر والوں نے ان ستونوں کے متعلق بھی گھڑ لئے ہوں گے ۔ یہ ستون بہت اونچے تھے ، بہت ہی اونچے ۔ تم نے اونچے سے اونچا کھجور کا درخت دیکھا ہوگا ۔ اس سے بھی اونچے ، اور پھر ایک ہی پتھر میں سے ترشے ہوئے ۔ مصر کے لوگ بڑے دل لگی کرنے والے ہوتے ہیں ۔ ان ستونوں کے ساتھ بھی اکثر لطف لیتے رہتے ہیں ۔ ابن بطوطا کا نام تو تم نے سنا ہوگا ۔ دنیا بھر کے سیر سپاٹا کرنے والوں کا گرو ۔ بلکہ گرو گھنٹال ۔ اس نے ان ستونوں کے متعلق بڑے مزے کا قصہ لکھا ہے ۔ سکندریہ کے باہر ایک ایسا ہی ستون تھا ، ان دنوں وہاں ایک مشہور تیر انداز رہتا تھا ، ایک دن اس کو کیا سوجھی کہ بغیر کسی سیڑھی اور امداد کے اس مینار کی چوٹی پر جا بیٹھا ۔ جب اس بات کی شہرت ہوئی تو تماشہ دیکھنے کو لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے ۔ اور خدا سمجھ میں نہ آتا تھا ۔ اتنی بلندی پر کیسے چڑھ گیا ۔ ادھر تیر انداز صاحب ہیں کہ نیچے والوں کو دیکھ کر گویا یوں کہہ رہے ہیں کہ میاں کیا دیکھتے ہو

خاطر ہی رک گئے۔ ورنہ ارادہ تو آسمان تک جانے کا تھا۔ اچھا بھلا یہ بتائیے۔ کیسے چڑھا ہوگا۔ اس کے لئے یہ کچھ مشکل بات نہ تھی پہلے تو اس نے تیر کے سرے پر ایک مہین ڈور کا سرا باندھا اور شست باندھ کر ایسا مارا۔ کہ تیر مینار کے اوپر سے گذرتا ہوا پار چلا گیا۔ اور ڈور کو ساتھ لیتا گیا۔ ڈور اتنی لمبی تھی کہ ایک سرا تو اس کا تیر سے بندھا رہا جو زمین کے اس پار گرا تھا اور دوسرا اس تیر انداز کے پاس رہا اور ڈور کا بیچوں بیچ کا حصہ مینار کے اوپر ٹھہر گیا۔ اب اس نے ایک مضبوط رسی ڈور سے باندھی، اور پھر آہستہ آہستہ ڈور کے ذریعے رسی کو مینار پر سے گذار دیا۔ آگے اس نے کیا کیا ہوگا۔ یہ تو تم خود سمجھ جاؤ اچھے بچوں کو سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ مینار بھی بادشاہوں نے اپنا نام زندہ رکھنے کے لئے بنائے تھے بنائے کیا۔ یوں کہو کہ ترشوائے تھے۔ ان پتھروں کی کانیں بالائی مصر میں تھیں۔ اب بھی اکثر لوگ ان کانوں پہ جا نکلتے ہیں تو وہاں ایسے ہی نامکمل ترشے ہوئے ستون پڑے ملتے ہیں۔ اب ان کو وہاں سے لاتے کیسے ہوں گے وہ زمانہ مشینوں کا تو تھا نہیں کہ دھوئیں کی گاڑی لگا دی اور چھک چھک اڑاتے چلے گئے۔ پہلے پہل جب ستون بنائے ہوں گے تو انجنیر لوگوں کو رات رات بھر اس فکر کے مارے نیند نہ آتی ہوگی کہ اب انھیں لے کیسے جائیں۔ پتھر کھودتے کھودتے وہاں اچھی خاصی نہر سی بن گئی تھی۔ رات کو اس فکر میں سوئے۔ صبح اٹھے تو دیکھا۔ کھدی ہوئی زمین پانی سے لبالب بھری ہوئی ہے۔ بات یہ تھی کہ ابا نیل کو اپنے بچوں کی بے بسی پر رحم آیا۔ دل میں کہا ہوگا کہ چلو یہ ان کے پتھر کے کھونے ان سے تو نہیں اٹھتے۔ تو ہم ہی اٹھا کے لے چلیں۔ انجنیر لوگوں نے پانی کی بھری ہوئی نہر دیکھی۔ تو کہنے لگے ہم تو اب تک بھولے ہی رہے۔ بھلا اس میں کیا مشکل تھی۔ لکڑی کے بڑے بڑے لٹھے ڈال کر ایک بڑی سی کشتی بنالی اور اس پر ان ستونوں کو لاد کر کھیتے ہوئے چلے۔ ملک میں نہروں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔ چند دن میں نہروں سے ہوتے ہوئے کہیں کے کہیں پہنچ گئے۔ اہرام کے پتھر بھی اسی طرح بالائی مصر سے پہنچے ہیں۔ ورنہ بھلا بیس بیس فٹ لمبے پتھروں کا اٹھانا بھلا کسی انسان کا کام ہے۔

یہ کام تو مصریوں نے غلاموں اور بنی اسرائیل سے لیا۔ حضرت موسیٰ نے ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے ایک مزدور کی حمایت میں جو شاید کسی نہر کی کھدائی یا پتھروں کی ڈھلائی پر لگا ہوا تھا اس کے مصری افسر کو جان سے مار ڈالا تھا۔ اور۔ بغاوت کا جھنڈا بلند کر کے اپنی پوری قوم کو ظلم اور زیادتی سے ہمیشہ ہمیش نجات دلا دی ۔



پیام برادری

پیاری بچیو اور بچو خوش رہو اور تندرست

دسمبر کے پرچے میں پیام برادری کے دوبارہ قائم ہونے کی خبر کیا چھپی کہ پیامیوں میں جیسے ہل چل مچ گئی اب تک ہندوستان کے چاروں طرف سے جانے کتنے خط آچکے ہیں۔ یہ ہی نہیں بلکہ کشمیری گیٹ دہلی میں تو برادری کی شاخ بھی قائم ہو چکی۔ "شاہین اسکول" کشمیری گیٹ دہلی کی بچوں کی انجمن نے ۴ جنوری کو مربی جناب غفران احمد صاحب نصرت کی صدارت میں ایک جلسہ کیا جس میں کابینہ کے ممبروں کا چناؤ ہوا اور پیام برادری کے ممبر بنائے گئے

کابینہ کے ممبر: محمد احسان اللہ خاں پرویز (صدر)۔ محمد ناظر عباسی رفعت۔ (نائب صدر)۔ محمد سلطان ماہر۔ (ناظم)۔ مظفر حسین شوق (نائب ناظم)۔ محمد الیاس شبنم۔ (مہتمم کتب خانہ) خلیل الرحمٰن نشتر (مہتمم دار المطالعہ)۔ تلسی رام مصور۔ (خزانچی)

برادری کے ممبر: صفدر علی کیف۔ آغا یاور عباس خوشتر۔ آفتاب علی فطرت۔ حسن رضا سہا۔ ضمیر حسین طور۔ نعیم الدین شوکت۔ علی اللہ سعف۔ جگدیش سنگھ قہر۔ رشید الدین اختر۔ منور احمد نسیم۔ عبد الصمد شعلہ۔ محمد یامین طالب۔ محمد عاقل آزاد۔ عبید الرحمٰن ثمر۔ علاء الدین قمر۔ محمد یامین عشرت۔ عبد الوحید شہاب۔ مختار احمد ساحر۔ محمد اکرم برق۔ خالد احمد کمال۔ انوار احمد عرش۔ چونکہ کشمیری گیٹ کی برادری کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اس لئے مندرجہ ذیل دو اور حضرات مربی بنائے گئے ہیں۔ جناب احمد حسن صاحب منظر قریشی۔ ٹیچر اینگلو عربک ہائی اسکول موری گیٹ دہلی جناب مرزا برکت علی صاحب شوق۔ ہیڈ ماسٹر ایم بی اسکول گندہ نالہ، دہلی

پیام برادری کا مقصد تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ اب اور سن لو۔ پیام برادری یہ چاہتی ہے کہ تم اپنے خالی وقت میں کوئی اچھا اور مفید کام کرتے رہو۔ ایسا کام جسے کرکے تمھیں خوشی بھی ہو اور جس میں تمھارا اور دوسروں کا بھلا بھی ہو۔ آپس میں دوستی اور محبت اور اتفاق رکھو۔ ایک دوسرے کی مدد کرو۔ بڑی عمروں کو پہنچ کر بھی اپنی دوستیوں کو نباہو اور ایک دوسرے کے کام آتے رہو۔

ایک بات تم نے اور پوچھی ہے یعنی یہ کہ ممبر بننے کے بعد کیا کرنا ہے تو بھئی کوئی نو دس سال کے ممبروں کے لئے تو یہ ہے کہ وہ پیام تعلیم پڑھیں۔ اس کے معمے حل کریں۔ ان میں جو مزے مزے کے کھیل چھپتے ہیں انھیں کھیلیں یہ کھیل اُن کے لئے بہت دلچسپ اور مفید ہیں۔ ان کے ذریعے وہ آہستہ آہستہ بڑی بڑی اور کام کی چیزیں بنانی سیکھ جائیں گے۔

اگر انھیں نظم یا مضمون لکھنے کا شوق ہو تو بڑا اچھا شوق ہے۔ یہ مضمون اور نظمیں ہمارے پاس بھیج دیں۔ اچھی ہوئیں تو پیام تعلیم میں چھپ جائیں گی ورنہ اصلاح کے بعد واپس کر دی جائیں گی۔ ان کے علاوہ میں اور اور مفید مشورے بھی وقتاً فوقتاً دیتا رہوں گا۔

بڑے ممبروں کے لئے ان کاموں کے علاوہ اور بھی کچھ کام ہیں۔ ایسے کام جن سے دوسروں کا بھلا ہو۔ مثلاً راستے میں سے کانٹے یا پتھر ہٹانا۔ بازار یا ڈاک خانے جاتے وقت اپنے پڑوسی کی ضرورتوں کو بھی پوچھ لینا۔ بیمار کی دوا لا دینا موقع ملے تو اس کی تیمارداری کر دینا۔ مرہم پٹی آتی ہو تو وہ کر دینا۔ کھیت سے جانوروں کو ہکا دینا۔ اَن پڑھ پڑوسی کا خط لکھ دینا۔ سبق یاد کرا دینا۔ ان کے علاوہ اور جو اچھے کام سمجھ میں آئیں۔ ان کاموں کو اپنی نوٹ بک میں لکھتے رہو اور..... مہینے کے آخر میں یہ دیکھو کہ ..... ہم نے دوسروں کی بھلائی کے لئے کتنے کام کئے۔ جب چھ مہینے ہو جائیں تو اپنے مربیوں سے نوٹ بک تصدیق کرکے میرے پاس بھیج دو۔

میں چاہتا ہوں کہ چھوٹے بڑے پیام برادری کے سبھی ممبر کوئی نہ کوئی ہاتھ کا کام بھی ضرور کریں۔ لیکن وہ کام ہوں مفید۔ مثلاً البم بنانا۔ لفافے

بنانا۔ کمربند بننا۔ جالی بننا۔ لکڑی وغیرہ کے کھلونے بنانا۔ بلیتے یا جوتے بنانا۔ گتے کی چیزیں بنانا۔ ڈرائنگ یا تصویریں بنانا۔ رومال یا غلاف پر بیل پتیاں کاڑھنا۔ اس طرح کے اور مفید کام کرنا۔ تمھارے ہاتھ کی بنائی ہوئی اچھی اچھی چیزیں نمائش میں رکھی جائیں گی اور اگر تم چاہو گے تو بیچی بھی جائیں گی اور پیسے تمھیں واپس کر دیے جائیں گے۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ تم چاہے امیر ہو یا غریب خود اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمانا عار نہ سمجھو۔ ان چیزوں کے بیچنے کا کام خود تمھاری برادری کی شاخ اور صدر دفتر کے ذمے ہوگا۔ شاخ کا ذکر آگیا ہے تو اب میں تمھیں یہ بھی بتا دوں کہ پیام برادری کی شاخیں کیوں کر قائم ہوں گی اور ان کے کیا کیا کام ہوں گے۔

پیام برادری کی شاخیں۔ شاخ کے قائم کرنے کا یہ طریقہ ہوگا کہ محلے یا شہر کے سارے پیام برادری کے ممبر مل کر بڑوں میں سے دو تین ایسے حضرات کو چن لیں جو تمھارے کام میں دلچسپی لیں تمھاری مدد کریں اور تمھیں مشورے دیتے رہیں۔ اچھا رہے گا اگر تم اپنے استادوں کو چنو۔ تمھارا خیال وہ رکھیں گے تو اور کون کرے گا۔ ان کی موجودگی میں اور ان کے مشورے سے آپس میں سب سے زیادہ کام کرنے والے سب سے سلجھے اور اچھی طبیعت کے لڑکے کو اپنا صدر چن لو۔ اسی طرح ایک ناظم کا انتخاب بھی کر لو لیکن برادری کا سارا کام یہی دو لڑکے تو نہیں کر سکتے اس لئے صدر اپنی مرضی سے اپنے چار پانچ لڑکوں کو اور چن لے جو اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار رہوں ان ممبروں کو کابینہ کا ممبر کہتے ہیں تو اس طرح گویا تمھاری شاخ قائم ہو گئی۔ اب صدر اور سکریٹری اس کارروائی کو لکھ کر میرے پاس بھیج دیں، یہ پیام تعلیم میں شائع ہوگی مربی صدر اور سکریٹری کو صدر دفتر کی طرف سے ایک ایک بیج پیش کیا جائے گا۔ کابینہ کے ممبروں کے لئے بیج کا پہننا اسی وقت سے لازمی ہوگا بقیہ ممبر بھی مہینے کے اندر اندر بیج خرید لیں۔ عہدہ داروں کا ایک سال بعد دوبارہ چناؤ ہوگا۔

کبھی کبھی مربیوں کے نام ہم خود بھی بتلائیں گے۔ مربیوں سے التماس ہے کہ وہ "پیام تعلیم" اپنے نام ضرور جاری کرالیں۔ تاکہ میں اپنی بات ان تک پہنچا سکوں اور وہ اس کے مطابق بچوں کو ضروری ہدایتیں دے سکیں۔

شاخوں کے کام:۔ (۱) سارے ممبر شاخ میں اکٹھا ہو کر تحریری اور تقریری مقابلوں میں حصہ لیں مضمون پڑھیں۔ بڑوں سے تقریریں کرائیں (۲) شاخ ممبروں کے ہاتھ کے بنائی ہوئی چیزوں کی نمائش اور ان کے بیچنے کا انتظام کرے گی۔ چیزوں کی خرید و فروخت کا باقاعدہ حساب کتاب رکھے گی۔ اس سلسلے میں جو کچھ خرچ ہوگا صدر اُسے آمدنی سے نکال کر باقی آمدنی کو ممبروں میں ان کی چیزوں کے لحاظ سے بانٹ دے گا (۳) برادری تین مہینے میں ایک مرتبہ ڈراما بھی کر سکتی ہے۔ ہاں بس ایک مرتبہ ورنہ اماں جان اور ابا جان خفا ہوں گے کہ بیٹا گھر سے غائب رہتا ہے۔ ڈرامے کے علاوہ مکالمے بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ ڈرامے اور مکالمے ہم خود مہیا کرنے کی کوشش کریں گے (۴) برادری کے جلسوں کے شروع میں کوئی اچھا سا ترانہ یا نظم پڑھی جائے (۵) برادری کی ساری کارروائی صدر اور سکریٹری میرے پاس بھیجتے رہیں۔ نمایاں اور اچھا کام کرنے والوں کا نام میرے پاس آنا چاہئے (۶) شاخ،

پیام برادری کا عہدنامہ

میں عہد کرتا/کرتی ہوں کہ ہمیشہ صاف رہوں گا/گی اور سچائی کو اپنا شعار بناؤں گا/گی۔ مضبوط اور محنتی بنوں گا/گی۔ بدی کی مخالفت کروں گا/گی۔ نیکی کا ساتھ دوں گا/گی۔ خدا کا ڈر اور اس کی مخلوق کی خدمت میری زندگی کا مقصد ہوگا

.... دستخط

پیام برادری کا عہدنامہ

میں عہد کرتا/کرتی ہوں کہ ہمیشہ صاف رہوں گا/گی اور سچائی کو اپنا شعار بناؤں گا/گی۔ مضبوط اور محنتی بنوں گا/گی۔ بدی کی مخالفت کروں گا/گی۔ نیکی کا ساتھ دوں گا/گی۔ اور اس کی مخلوق کی خدمت میری زندگی کا مقصد ہوگا۔

...... دستخط

صدر برادری دہلی کو بھی اپنی چیزیں نمائش کرنے اور بیچنے کے لئے بھیج سکتی ہے۔ ہم یہاں نمائش کا ایک کمرہ رکھیں گے اور شاخوں کے بہترین کاموں کی نمائش کریں گے شاخ کی چیزوں کے بیچنے میں جو کچھ خرچ ہوگا وہ ہم ایک آنے کے حساب سے دام سے منہا کرکے دام برادری کی شاخ کو واپس کردیں گے۔

جن ممبروں کو ڈرائنگ یا تصویریں بنانے یا مضمون لکھنے کا شوق ہو وہ اپنے کام ہمارے پاس بھیجیں ہم انھیں اچھے مشورے دیں گے اگر ہو سکا تو رسالے میں چھاپیں گے۔ جو ممبر آپس میں خط کتابت کرنا چاہیں گے میں اُن کے لئے آسانیاں پیدا کردوں گا۔

تو بھئی اب تو تم سمجھ گئے نا کہ پیام برادری کیا چیز ہے؟ اب میں تمھیں یہ بتاؤں کہ تم کس طرح اس کے ممبر بن سکتے ہو۔ اگر تمھاری عمر سولہ سال سے زیادہ نہیں ہے تو تم پیام برادری کے ممبر بن سکتے ہو۔ رسالے میں جو کوپن چھپے ہوئے ہیں ان میں سے ایک بھر کر میرے پاس بھیج دو۔ ممبری کی فیس دو آنے ہے۔ اس لئے کوپن کے ساتھ ساتھ دو آنے کے ٹکٹ بھی آنے چاہیں ورنہ بھی میں تمھیں ممبر نہیں بنا سکتا۔ برادری کے ہر ممبر کے لئے "پیام برادری" کا بیج پہننا بھی ضروری ہوگا۔ یہ بیج گویا برادری کا امتیازی نشان ہے۔ یہ بہت خوب صورت بنا ہوا ہے۔ اس کی قیمت ایک روپیہ (عہ) ہے۔ لیکن بہت سے پیامیوں کے پاس اس وقت ایک روپیہ بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے انھیں چھ مہینے کی مہلت ہے۔ اس عرصے میں وہ بیج ضرور منگالیں۔ ورنہ وہ ممبر نہیں رہ سکتے۔

ایک بات ذرا دھیان دے کر سُن لو۔ میں تمھارے اکثر سوالوں کا جواب پیام تعلیم کے ذریعے دوں گا۔ اگر تم خط کے ذریعے کوئی بات پوچھنا چاہتے ہو تو جوابی کارڈ یا جواب کے لئے ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔ اس طرح اگر تم اپنے مضامین وغیرہ واپس منگانا چاہتے ہو تو بھی ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔ ورنہ پھر شکایت نہ کرنا کہ مشتاق بھائی جواب نہیں دیتے۔ بھئی بتاؤ بھلا میرے پاس اتنے پیسے کہاں !!

تم سے جو میں نے دو آنے ممبری فیس کے لئے ہیں وہ اس لئے کہ بہرحال کبھی نہ کبھی مجھے تمھارے پاس خط تو لکھنا ہی ہوگا۔ دوسرے برادری کو چلانے میں کچھ نہ کچھ خرچ تو ہوگا ہی۔ تیسرے میرا ارادہ یہ بھی ہے کہ برادری کی جن شاخوں کو مدد کی کچھ ضرورت ہوگی وہ میں انھیں پیسوں سے کروں گا کیوں بھئی تمھیں منظور ہے نا؟

مجھے اور جو کچھ ضروری باتیں کہنی ہوں گی وہ میں ہر مہینے کے پیام تعلیم میں کہتا رہوں گا۔

اب تم غالباً سمجھ گئے ہوگے کہ "پیام برادری" کیا چیز ہے اور اس کے فائدے بھی جان گئے ہوگے۔ اس کی خامیاں بتلانا بھی تمھارا فرض ہے تاکہ میں انھیں دور کردوں۔

اگر ممبر بننا چاہتے ہو تو کوپن بھر کر بھیج دو اور ممبری فیس بھی۔

تمھارا　　　　"مشتاق بھائی"

میں پیام برادری کا ممبر ہونا چاہتا / چاہتی ہوں۔ بیج کی قیمت عہ اور ممبری فیس ۲ر بھیج رہا / رہی ہوں۔ میرا نام ممبروں کی فہرست میں شامل کرلیجئے۔

دستخط . . . . عمر . . . .

پیدائش سنہ . . . .

پتہ . . . .

. . . .

خاص شوق . . . .

میں پیام برادری کا ممبر ہونا چاہتا / چاہتی ہوں۔ بیج کی قیمت عہ اور ممبری فیس ۲ر بھیج رہا / رہی ہوں۔ میرا نام ممبروں کی فہرست میں شامل کرلیجئے۔

دستخط . . . . عمر . . . .

پیدائش سنہ . . . .

پتہ . . . .

. . . .

خاص شوق . . . .

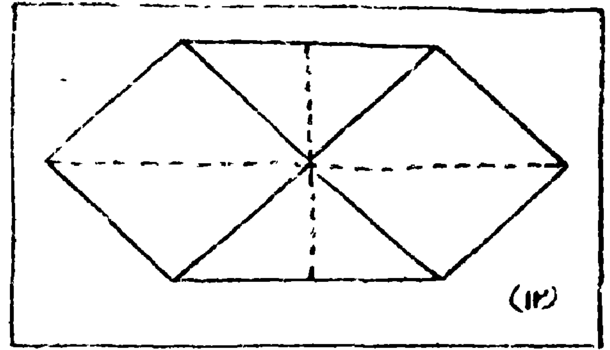


مزے مزے کے کھیل

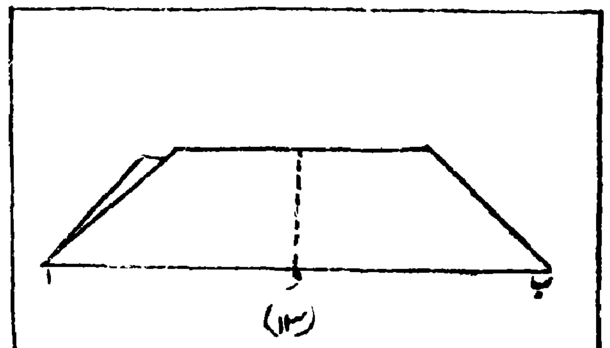
مشتاق احمد اعظمی

مسخرے کی ٹوپی

چوکور کاغذ کا ایک ٹکڑا لے لو۔ کونوں

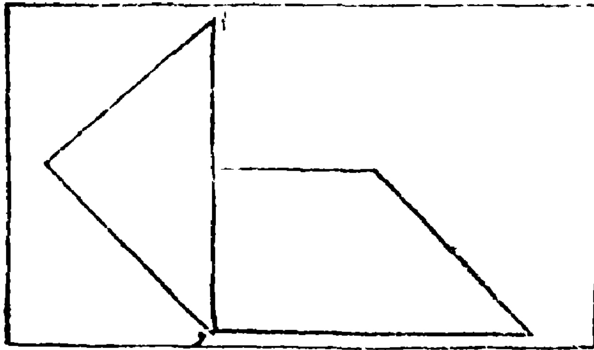


سے ترچھا ترچھا موڑ لو تاکہ آر پار دو لمبی لمبی لکیریں

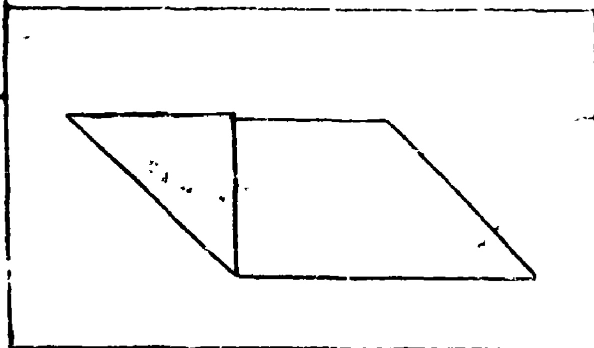


پڑ جائیں۔ کاغذ کو اس طرح رکھ لو کہ ایک کونا نیچے ہو، دوسرا اوپر۔ اب ان دونوں کونوں کو موڑ

کر بیچ کی لکیر پر لے آؤ، دیکھو تصویر نمبر ۱۲ اور نمبر ۱۳ (نمبر پچھلے پرچے کی تصویروں کے نمبر کے لحاظ سے

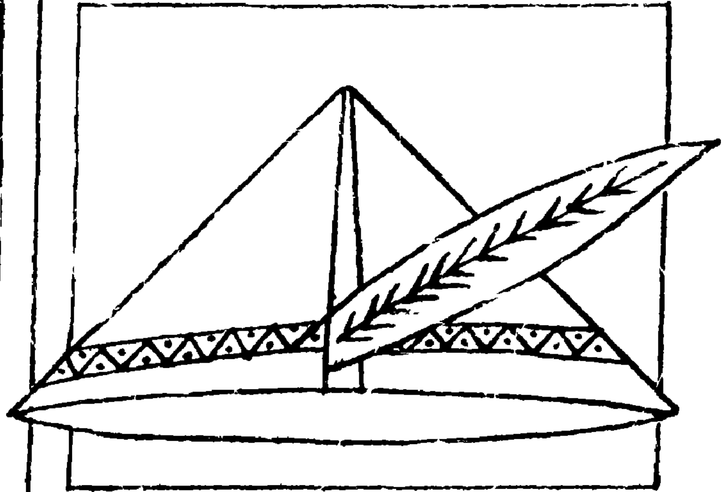


دیے جائیں گے) نیچے کے حصے کو اوپر والے حصے



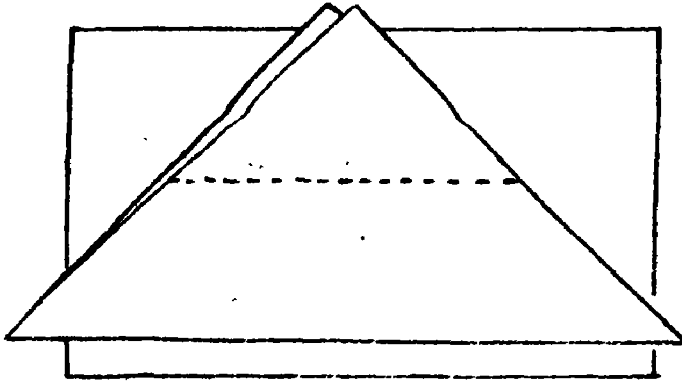
پر تہ کرلو (دیکھو تصویر نمبر ۱۶) اب یوں کرو کہ بائیں طرف کے حصے 'ا' کو 'ب' کے متوازی

موڑلو۔ بایاں کونا اوپر کو اُٹھ جائے گا (دیکھو
تصویر نمبر ۱۴)۔ بالکل اسی طرح دایاں کونا بھی
مڑے گا۔ اُٹھے ہوئے بائیں کونے کو موڑکر دونوں
پرتوں کے درمیان گھُس دو۔ اسی طرح دائیں
کونے کو بھی (دیکھو تصویر نمبر ۱۵) یہ لو سنہرے
کی ٹوپی بن گئی۔ اگر ایک خوب صورت سا پر
لے کر دونوں پرتوں کے بیچ میں لگا لو تو اوپر
کے پرت بھی نہ کھلیں گے خوب صورتی کی خوب
صورتی بھی۔ کناروں پر پنسل سے پھول پتیاں بھی
بنا لو۔

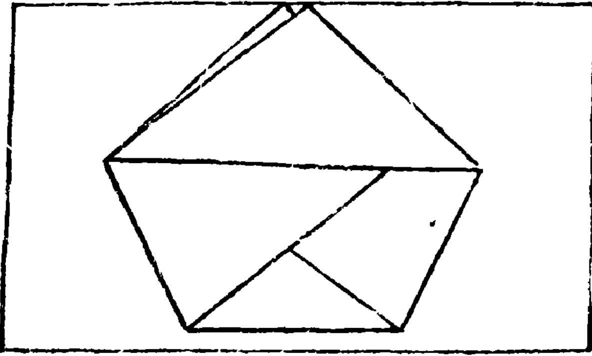


پانی پینے کا پیالا

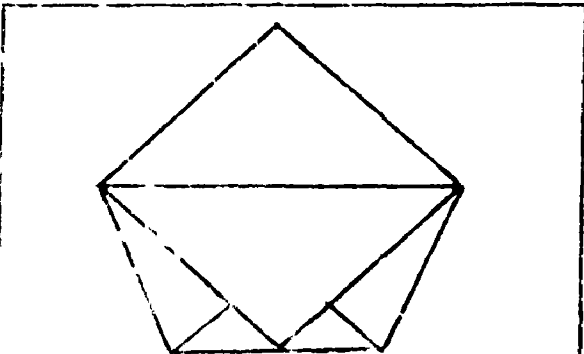
جب کبھی گلاس یا پیالا نہیں ملتا تو تمھیں چلّو
سے پانی پینا پڑتا ہے۔ کپڑے بھی خراب ہو جاتے
ہیں اور بُرا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیوں نہ تم خود اپنا
پیالا آپ بناؤ۔ آٹھ انچ چوکور کاغذ اس طرح
رکھ لو کہ ایک کونا نیچے رہے اور دوسرا اوپر۔ نیچے



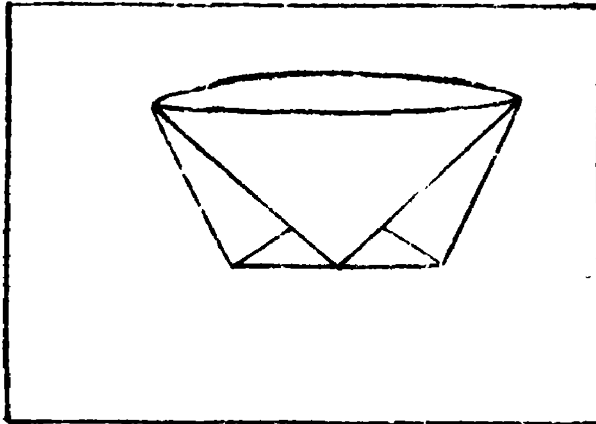
کے کونے کو اوپر کے کونے سے ملا دو۔ اوپر کے کونے کو
نیچے لا کر ج د کی لکیر سے ملا دو۔ پھر جیبوں کا تیوں کر لو۔



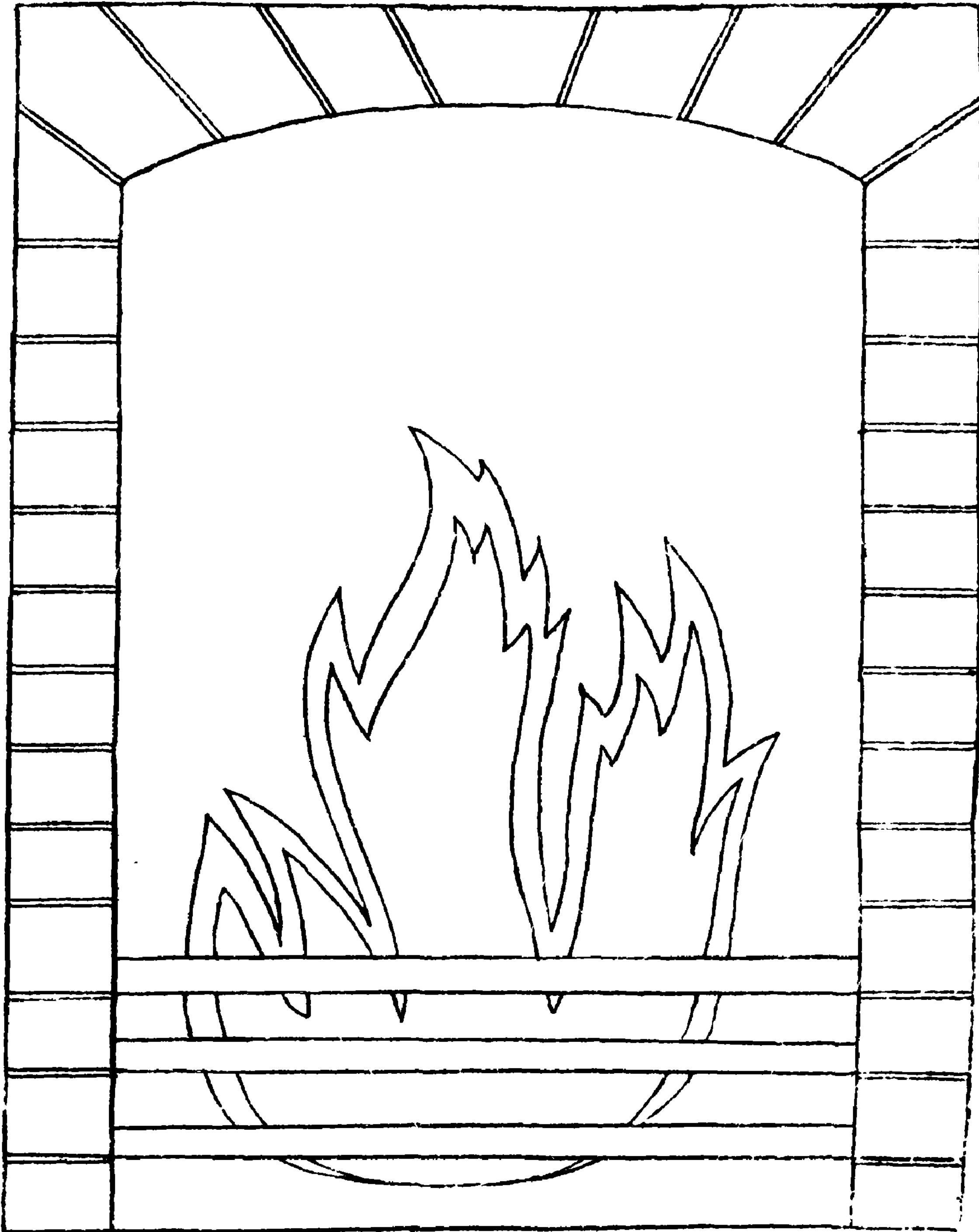
ا، ب کی لکیر پڑ گئی نا (تصویر نمبر ۱۷)۔ اچھا اب
ج د کونوں کو برابر موڑتے ہوئے ا، ب کی

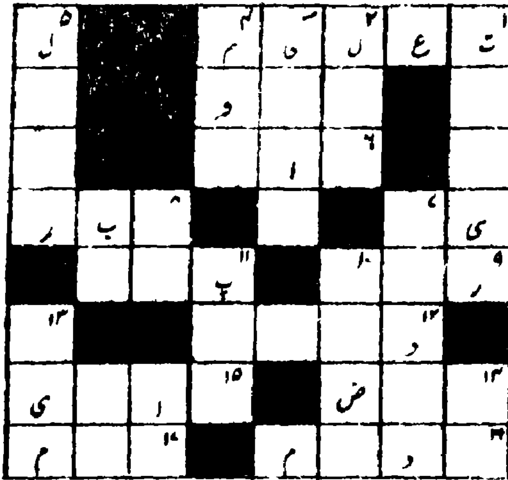


لکیر پر سے جاؤ۔ ایک کونا نیچے دب جائے گا۔ دوسرا اُوپر رہے گا دیکھو تصویر نمبر ۱۸۔
پیالے کے بننے میں صرف ذراسی کسر اور ہے۔ جو کونا اُوپر کو اُٹھا ہوا ہے اس میں دو پرت ہیں۔ اُوپر والے پرت کو اِس طرف موڑ لو (دیکھو تصویر نمبر ۱۹) اور نیچے والے کو اُس طرف موڑ دو۔ پیالا تیار ہے۔ مُنہ کھول لو۔ کیا مجال جو اس میں سے پانی کا ایک قطرہ بھی ٹپک جائے۔ (دیکھو تصویر نمبر ۲۰۔)



رنگ بھرو





معمّا نمبر ۱

پہلا انعام دس روپے

دوسرا انعام چھ روپے

(انعام میں کتابیں دی جائیں گی)

دائیں سے بائیں

۱۔ ہندوستان میں اس کی بہت کمی ہے۔

۶۔ سورج ڈوبنے کا وقت۔

۸۔ طاقتور لوگ بھی جب مجبور ہو جاتے ہیں تو ——— کرتے ہیں۔

۹۔ چاند کو عربی میں ——— کہتے ہیں (اُلٹا)

۱۱۔ بچوں کو دیو اور ——— کی کہانیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔

۱۲۔ باپ کا باپ۔

۱۳۔ شروع میں احتیاط نہ کی جائے تو اکثر بڑھ کر مصیبت بن جاتا ہے

۱۵۔ ایسے لوگ جھگڑا فساد پسند کرتے ہیں۔

۱۶۔ پُرانا۔ (فارسی)

۱۷۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔

اوپر سے نیچے

۱۔ جو لوگ اپنی ——— پر بھروسہ کرتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔

۲۔ مرنے کے بعد۔

۳۔ سیاہ (اُلٹا)

۴۔ شہد کی مکھی شہد کے علاوہ یہ بھی بناتی ہے۔

۵۔ فوج۔

۷۔ دُلہا کا ساتھی

۱۰۔ جھگڑے اور مقدمے چکانے والا

۱۱۔ گناہ (ہندی)

۱۳۔ ہندوستان میں یہ درخت بہت پایا جاتا ہے۔

قواعد (۱) حل کے ساتھ ۲ کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں (۲) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں چار حلوں کی رعایتی فیس ہے۔ آٹھ حلوں کی ۱۰ ہے (۳) دونوں انعام تقسیم کر دیئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی (۴) تمام حل رسالہ پہنچنے کے ۱۵ دن بعد دفتر پیامِ تعلیم دہلی پہنچ جانے چاہئیں (۵) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا (۶) پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوپن بھی لے لئے جائیں گے (۷) کسی کوپن میں کوئی حرف کم یا مٹا ہوا ہوگا یا نقل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے (۱۰) چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (۸) پتہ: سب ایڈیٹر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی۔ قرول باغ۔

معما نمبر ا — کوپن نمبر

نام ....
پتہ ....
ٹکٹ ....

معما نمبر ا — کوپن نمبر

نام ....
پتہ ....
ٹکٹ ....

معما نمبر ا — کوپن نمبر

نام ....
پتہ ....
ٹکٹ ....

معما نمبر ا — کوپن نمبر

نام ....
پتہ ....
ٹکٹ ....

مکتبہ جامعہ

کی

بچوں کی کتابیں

قصے کہانیاں

ننھا ٹٹو۔ ایک بکری کے بچے کی دلچسپ کہانی۔ پہلے درجے کے لیے ۳ر

لومڑی اور خرگوش کی لڑائی۔ بالکل چھوٹے بچوں کے لئے مزیدار کہانی۔ ۴ر

جادو کا گھر۔ ننھی عمر کے بچوں کے لئے۔ ۶ر

بندر اور نائی۔ پہلے درجے کے بچوں کے لئے ۸ر

ڈرامے

چور لڑکا ۳ر
جھوٹا لڑکا ۴ر
بچوں کے مشہور ڈرامانگار جناب عبدالغفار صاحب مدھولی کے دو نئے ڈرامے۔ ۳ر-۴ر

نظم

نئی کہانیاں۔ بچوں کے شاعر حضرت شفیع الدین نیر کی ننھی منی نظموں کا مجموعہ بالکل انوکھے انداز میں۔ ۹ر

معلومات

قدرت کے کرشمے۔ ہوا، بادل، بجلی وغیرہ کی باتیں نہایت دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ ۸ر

باغبانی۔ گھریلو مشغلے کے طور پر پھول اور سبزیوں ترکاریوں وغیرہ کے بونے، اگانے پر مفید اور کارآمد باتیں ۶ر

سونے کی چڑیا۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ پہلے زمانے میں ہمارے ملک میں کیسی کیسی مفید صنعتیں رائج تھیں ۸ر

بڑدادا کی کہانی۔ ہندوستان کے چند تاریخی مقامات کے حالات دلچسپ کہانیوں کے انداز میں۔ ۶ر

لڑائی کے ہتھیار۔ آج کل کے ہتھیاروں کے حالات نہایت سلجھے ہوئے اور دلچسپ انداز میں ۶ر

ہماری زمین۔ ہماری زمین کیا ہے۔ کیسے بنی، کیسے آہستہ آہستہ آباد ہوئی، اور موجودہ حالت کو پہنچی۔ کہانی کے انداز میں۔ ۸ر

دہلی۔ دہلی کی پرانی عمارتوں کا حال بچوں کے لئے۔ ۸ر

صحت و صفائی۔ صحت و صفائی کے بارے میں مفید باتیں کہانیوں کے انداز میں ۶ر

مذہبی کتابیں

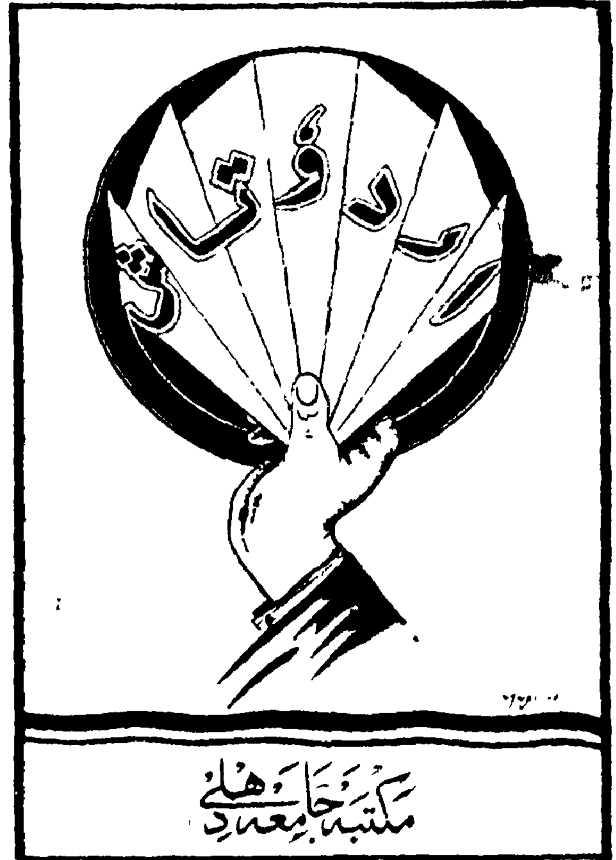
اسلامی عقائد ۳ر — آخری نبی ۴ر — آں حضرت ۶ر

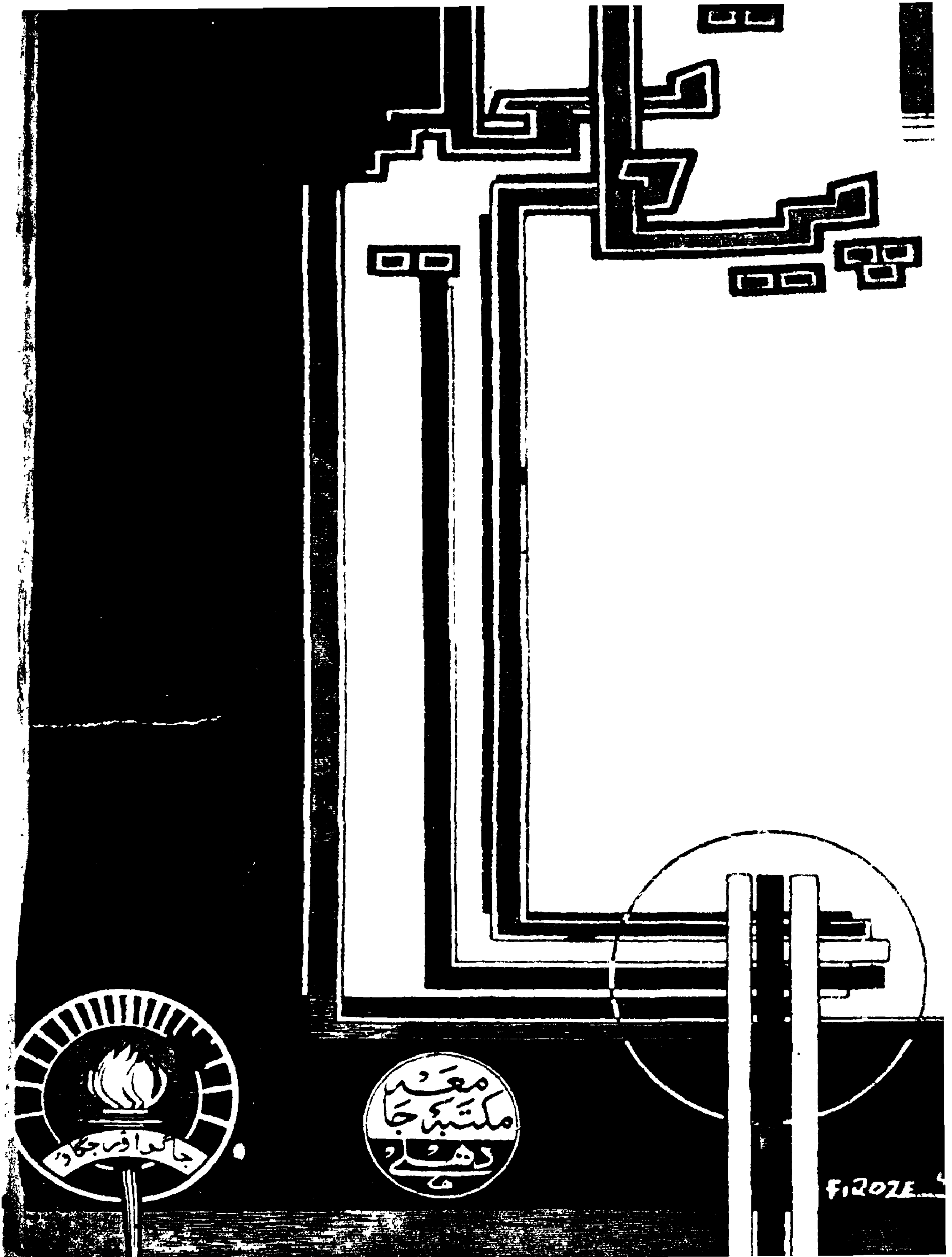
اسلامی تاریخ کی سچی کہانیاں اول ۸ر

قرآن پاک ۱۰ر — خلفائے اربعہ ۸ر

مسلمان بیبیاں۔ ۶ر

مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی ۳


مکتبہ جامعہ دہلی



جاگو اور جگاؤ
مکتبہ جامعہ دہلی
FIROZE

پیام تعلیم :- دہلی۔ سی۔ پی۔ یو۔ پی۔ برار۔ میسور۔ قلات بنگال
رام پور۔ حیدرآباد۔ سندھ۔ کشمیر۔ پنجاب۔ بہار اور سرحد
کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے
"منیجر"



۱/
جلد ۲۶ نمبر ۱۱

قیمت سالانہ
سے ر

فی پرچہ
۴ر

فہرست مضامین اگست سنہ ۴۵ء

ایڈیٹر :- محمد حسین حسان

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

کسی پچھلے پرچے میں ہم نے بمبئی کے چندے کا ذکر کیا تھا۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ شروع جولائی میں اس کی مقدار دو لاکھ پندرہ ہزار تک پہنچ گئی تھی کام ابھی ہو رہا ہے اور امید ہے کہ بمبئی سے کوئی ۳ لاکھ روپیہ جمع ہو جائے گا۔

جامعہ اسکاؤٹ جامعہ نگر کا کام برابر آگے بڑھ رہا ہے پچھلے دنوں جامعہ نگر میں پندرہ دن کا ایک کیمپ بھی ہوا۔ ناظم صاحب نے تعلیمی مرکز قرول باغ میں پانچ دن جامعہ اسکاؤٹ پر تقریریں بھی کیں۔ ان تقریروں میں انہوں نے بہت وضاحت سے سمجھایا کہ جامعہ اسکاؤٹ کیا چیز ہے۔ یہ تقریریں بہت مفید اور دلچسپ تھیں۔

جناب ناظم صاحب (جامعہ اسکاؤٹ) کچھ دنوں کے لئے بمبئی تشریف لے جا رہے ہیں۔ وہاں وہ جامعہ اسکاؤٹ اور پیام برادری کے سلسلے میں کام کریں گے بمبئی کے پیامیوں سے ہمیں امید ہے کہ وہ ان کی پوری مدد کریں گے۔

خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کے خریدار برابر بڑھ رہے ہیں۔ عزیزی محمد طارق آل صدیقی (کانپور) جناب قیصر صاحب (استاد تعلیمی مرکز جامعہ) عزیزہ نجمہ سلطان مسعود، جناب محمد غوث انصاری صاحب (لکھنؤ) جناب قیصر شاہ خاں صاحب (رام پور) اور عزیزی محمد شرف احمد (جودھ پور) نے پچھلے دنوں پیام تعلیم کے خریدار بنانے میں ہماری خاص طور پر مدد کی۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے دوسرے پیامی اور بزرگ بھی اس اچھے کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

بچوں کی کوششوں کے سلسلے میں ہم اپنے ننھے پیامیوں کو پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں مضمون اور لطیفے جلد شائع ہو سکتے ہیں۔ اس پرچے میں دونوں صفحے ابھی سے بھر گئے ہیں۔ اگلے پرچے میں کچھ کہانیاں بھی چھپ سکیں گی

اچھّی چڑیا

(۲)

محمد شفیع الدین نیّر

چڑیا کی جب بات سُنی یہ ۔۔۔ کوّا بولا میں نہیں بوتا
مینا بولی میں نہیں بوتی ۔۔۔ طوطا بولا میں نہیں بوتا
بلّی بولی میں نہیں بوتی ۔۔۔ کتا بولا میں نہیں بوتا
مُرغی بولی میں نہیں بوتی ۔۔۔ بکرا بولا میں نہیں بوتا

سب نے کہا جب ہم نہیں بوتے
چڑیا نے کھیت آپ وہ بویا

تھوڑے دن میں وقت وہ آیا ۔۔۔ کھیت یہ گیہوں کا پھل لایا
چڑیا بولی چل کر کاٹیں ۔۔۔ گیہوں سے گھر اپنا پاٹیں
اُن سب نے جب کام سُنا یہ ۔۔۔ کوا بولا مُجھ سے نہ ہوگا
مینا بولی میں نہ کروں گی ۔۔۔ طوطا بولا مُجھ سے نہ ہوگا
بلّی بولی میں نہ کروں گی ۔۔۔ کُتا بولا مجھ سے نہ ہوگا
مُرغی بولی میں نہ کروں گی ۔۔۔ بکرا بولا مجھ سے نہ ہوگا

جب نہ کسی سے کھیت کٹا یہ
چڑیا نے وہ آپ ہی کاٹا

گیہوں گھر میں کاٹ کے ڈالے	پھر سب سے یہ بولی چڑیا
آؤ یہ ہم چکی میں پیسیں	پس کر یہ ہو جائیں گے آٹا
چکّی اور آٹے کی سُن کر	اُن میں سے ہر اک گھبرایا
سب سے پہلے کوا بولا	آٹا یہ مجھ سے نہ پسے گا
مینا بولی طوطا بولا	آٹا یہ ہم سے نہ پسے گا
بلّی بولی کُتّا بولا	آٹا یہ ہم سے نہ پسے گا
مُرغی بولی بکرا بولا	آٹا یہ ہم سے نہ پسے گا

جب نہ کسی نے پیسا آٹا
چڑیا نے وہ آپ ہی پیسا

جب یہ آٹا پیس چکی وہ	ان سب سے یوں بولی چڑیا
آؤ روٹی مل کے پکائیں	کام یہ ہو جائے تو ہے اچھا
بات یہ سُن کر کوّا بولا	مجھ سے پک سکتی نہیں یہ روٹی
مینا بولی ، طوطا بولا	ہم سے نہیں پک سکتی یہ روٹی
بلّی بولی ، کُتّا بولا	ہم سے نہیں پک سکتی یہ روٹی
مُرغی بولی ، بکرا بولا	ہم سے نہیں پک سکتی یہ روٹی

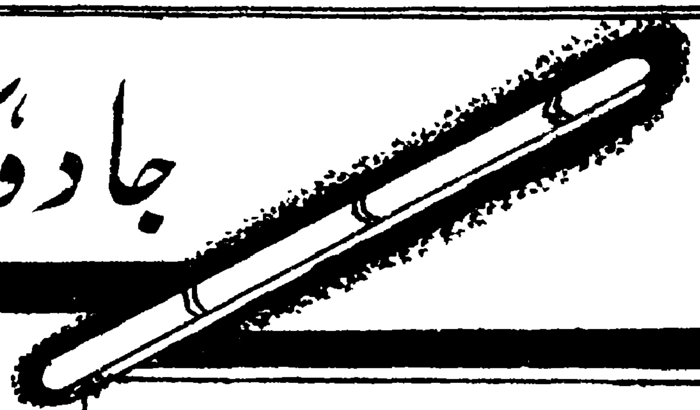
جب نہ کسی سے پکی روٹی
چڑیا نے روٹی بھی پکائی

روٹی جب چڑیا نے پکائی ۔ پوچھا کون یہ کھائے گا روٹی
کوّا بولا میں کھاؤں گا ۔ سب روٹی چٹ کر جاؤں گا
مینا بولی میں کھاؤں گی ۔ طوطا بولا میں کھاؤں گا
بلّی بولی میں کھاؤں گی ۔ کتا بولا میں کھاؤں گا
مرغی بولی میں کھاؤں گی ۔ بکرا بولا میں کھاؤں گا

دل میں وہ نہ ذرا شرمائے
مفت میں روٹی کھانے آئے

اب تو بگڑ کر چڑیا بولی ۔ روٹی یہ تم کو نہ ملے گی
کام سے تم جب گھبراتے ہو ۔ پھر یہ روٹی کیوں کھاتے ہو
بات یہ سن کر سب شرمائے ۔ کام نہ کرنے پر پچھتائے
چڑیا اور سب اس کے بچے ۔ مل کر کھانا کھانے بیٹھے

سب نے مل کر کھانا کھایا
سب نے مل کر گانا گایا
کام کا پھل چڑیا نے پایا
کام نے اس کا کام بنایا



جادو کا ڈنڈا

محمود الحسن ۔ استاد تعلیمی مرکز (جامعہ)

آخر ایک دن ماں سے کہنے لگے۔ "اچھی اماں اب کی دفعہ روٹی اور پکا دو۔ اب چاہے کچھ ہو جائے واپس نہیں لوٹوں گا"۔ ماں نے پھر چار روٹیاں پکا دیں اور آلو کا بھرتہ روٹیوں پر رکھ دیا۔ راجو لے کر چل دئے۔ چلتے چلتے پھر اُسی کنوئیں پر پہنچے اور زور زور سے چلانے لگے "ایک کھاؤں، دو کھاؤں، تین کھاؤں کہ چاروں کھا جاؤں"۔ اب کی دفعہ پریوں کو بھی بڑا غصہ آیا، لیکن کم زور کا غصہ کیا، روتی ہوئی اُوپر آئیں اور راجو سے بولیں۔ "آخر تم ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ اگر تمھیں کھانا ہی ہے تو کھا لو۔ روز روز کی پریشانی جائے"۔ راجو نے بھی غصے سے کہا کہ تم نے ہمیشہ ہمیں دھوکا دیا نہ ہانڈی میں کچھ پکتا ہے اور نہ بکری سونے کی مینگنیاں دیتی ہے۔ پریوں نے کہا "واہ! ہم نے تو دونوں اچھی چیزیں دی ہیں۔ تم کہیں بھول جاتے ہو، یا کھو دیتے ہو"۔ راجو بولے "میں تو سیدھا گھر چلا جاتا ہوں، راستے میں صرف ایک بڑھیا ہے، جو بڑی نیک ہے، رات کو اس کے یہاں ضرور سو جاتا ہوں"۔ پریاں بولیں "وہی بڑھیا تمھاری چیزیں چرا لیتی ہوگی"۔ راجو کی کچھ سمجھ میں آئی کہ بکری اور ہانڈی اُسی نے چرائی ہوگی۔ پریوں نے کہا "اب کی دفعہ ہم تمھیں ایک جادو کا ڈنڈا دیتے ہیں، تم تین دفعہ مار مار تو ڈنڈے کہہ دیا کرو، بس ڈنڈا مارنا شروع کر دے گا۔ جب ڈنڈے سے تین دفعہ رُک رُک جا ڈنڈے کہو گے تو ڈنڈا رُک جایا کرے گا"۔ راجو یہ ڈنڈا لے چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے رات ہوگئی تو پھر اسی بڑھیا کے یہاں پہنچے۔ بڑھیا نے سوچا کہ یہ اب کی بھی کوئی انوکھی چیز لے کر آیا ہوگا۔ بڑھیا نے بڑے پیار سے راجو کو ٹھہرایا۔ راجو سے پوچھا "بیٹا اب کی دفعہ کیا لے کر آئے ہو"۔ راجو نے کہا "کچھ نہیں"۔ بڑھیا نے بہلا پھسلا کر راجو سے پوچھ

ہی لیا۔ راجو نے بتا دیا کہ ایک ڈنڈا جادو کا
لایا ہوں اور ساری ترکیب بھی بتا دی۔ بڑھیا
بھی خوش ہو گئی کہ چلو یہ ڈنڈا چرا لوں گی تو
میرے لڑکوں کے کام آئے گا۔

جب راجو سو گئے تو بڑھیا نے وہ ڈنڈا
چپکے سے راجو کے پاس سے اٹھا لیا۔ چاروں
طرف اچھی طرح دیکھا بھالا۔ کہنے لگی "لاؤ
اس سے کہہ کے بھی تو دیکھوں۔ اس نے
ڈنڈے سے تین دفعہ کہا مامار تو ڈنڈے
بس ڈنڈے نے اسی بڑھیا کو مارنا شروع
کیا۔ اب تو بڑھیا چیخی چلائی۔ روئی پیٹی دہائی
مچائی۔ اتفاق سے راجو کی آنکھ کھل گئی۔

راجو ہڑبڑا کے بڑھیا کے پاس پہنچے بڑھیا
کو ڈنڈا مار رہا تھا، بڑھیا کے خون بہہ رہا تھا
اور بڑھیا زور زور سے رو رہی تھی۔ کہتی تھی
"بیٹا! خدا کے لئے مجھے اس ڈنڈے سے بچا،
اس نے تو لہولہان کر دیا ہے۔ راجو نے کہا۔
"بڑھیا بی جب تک تم میری بکری اور ہانڈی
نہ دو گی۔ یہ یوں ہی مارے جائے گا۔" بڑھیا
نے کہا" تیری ہانڈی وہاں کونے میں رکھی ہے
اور بکری اس آنگن میں بندھی ہے۔ لے لے اور
خدا کے لئے مجھے کم بخت ڈنڈے سے بچا لے۔"
راجو نے تین دفعہ ڈنڈے سے کہا" رک رک
جا ڈنڈے۔ ڈنڈا رک گیا۔ راجو اسی وقت
اپنی ہانڈی اور بکری لے کر چل دئے۔ بڑھیا
روئی پیٹی چیخی چلاتی رہ گئی کہ ہائے رے
یہ لڑکا مجھے لوٹ کر لئے جاتا ہے۔ بڑھیا
زور زور سے چلاتی تھی تاکہ اس کے ٹھگ
لڑکے آ جائیں، اور راجو سے تینوں چیزیں
چھین لیں۔ خدا کا کرنا اسی وقت وہ لڑکے
بھی آ گئے اور راجو کے پیچھے دوڑے کہ
تو نے میری ماں کو کیوں مارا اور ساری
چیزیں چرائے کہاں لئے جاتا ہے۔ راجو نے
کہا" یہ چیزیں تو میری ہیں۔ اس بڑھیا نے
چرا لی تھیں۔ وہ ٹھگ راجو کو مارنے ہی
والے تھے کہ راجو نے جھٹ سے اپنا ڈنڈا
نکالا، اور کہا" مامار تو ڈنڈے"۔ ڈنڈے
نے جو مارنا شروع کیا تو ٹھگ بھاگتے جاتے
تھے اور روتے جاتے تھے۔ پھر راجو
لوٹ آئے اور ان ٹھگوں کا سامان اُنھی
کے گھوڑوں پر لاد کر گھر چل دئے، اور
ڈاکو اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔

گھر پہنچے تو اُن کی ماں بیٹھی دعا مانگ
رہی تھی کہ اللہ میرے راجو کا دل کام میں لگ
جائے۔ اتنے میں کیا دیکھتی ہے کہ راجو گھوڑوں
پر خزانہ لادے چلا آ رہا ہے۔ وہ خود ایک

ایک گھوڑے پر سوار ہیں اور ایک لال بکری بھی اُن کے ساتھ ہے۔

اب تو بڑھیا کا دِل دھک دھک کرنے لگا۔ راجو سے بولی "بیٹا یہ کس کی چیزیں اُٹھا لائے، اور گھوڑے کس کے پکڑ لائے۔ راجو نے سارا قصہ سُنایا تو بڑھیا خوش ہو گئی۔ ہانڈی نے کھیر بھی پکا دی، بکری نے سونے کی مینگنیاں بھی دیں۔ راجو ہر ایک کام میں اپنا جی بھی لگانے لگے۔ بڑھیا کی دعا اللہ میاں نے قبول کر لی ؛

آپ بیتی

عبدالباسط نعیم



سُنو اے ساتھیو، کہانی ہماری
جو دو دن یہاں پر لگے تھے ڈیرے
اندھیرا مسلط لڑاکے کی سردی
بیا کام بعد اس کے حمد و ثنا تھا
ادھر دو پہر میں تھا جسم ٹوٹا
غضب کی ادھر بھوک اُدھر لیٹ کھانا
نہ ملتی تھی رخصت ذرا ایک پل کی!
جو تھا شام سے پہلے جائے نہانا
ابھی رات کا کل نہ کھانا تھا باقی
تھے ہم دس بجے کیمپ فائر جاتے
ہمیں یاد ہے غائب سونے کا زمانہ
اگر جاتا کوئی بتی جلائے
سنے کھلکھلا کر یا سیٹی بجائے
جھلک یہ نعیم ایک اس کیمپ کی ہے

کہانی ہماری، زبانی ہماری!
ہم اُٹھتے رہے تھے سویرے سویرے
بدلتے تھے ہم ہاتھ منہ دھوئے وردی
قواعد نے بھی خوب بے بس کیا تھا
دماغ ترو تازہ لیکچر نے لوٹا
مٹر، دال، آلو ابھی تھے پکانا
ہدایت تھی ہم کو ہر اک پل عمل کی
تو تھا کام بعد اس کے خیمہ لگانا
پلاتے شراب فراغت نہ ساقی
یہ تھا وقت جب خوب گاتے بجاتے
جیوں ہی بجتے بارہ، نہ رہتا ٹھکانا
ذرا دوست کو پاس اپنے بلائے
تو استاد کا ڈر تھا دل کو ہلائے
کہ جس کیمپ کا آج دن آخری ہے

یانگ سی کیانگ کی وادی

۳

پروفیسر محمد عبدالغفور (علی گڑھ)

"اچھا تمھیں یاد ہے کہ ایک مرتبہ جب ہم لکھنؤ گئے تھے تو ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔"

"جی ہاں چچا۔ جہاں ہم نے ایک رجسٹر میں آپ کے اور سب کے نام اور پتے وغیرہ لکھے تھے"

چچا میاں ہوٹل نہ ہوا اسکول ہو گیا۔ باقاعدہ حاضری کا رجسٹر رکھتے ہیں۔ گویا کوئی ہوٹل میں نہ آئے تو شاید جرمانہ کر دیں۔"

"بھئی تمھیں تو ہر وقت مذاق کی سوجھتی ہے۔ مسافروں میں بُرے بھلے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کیا خبر ان میں سے کوئی چور اچکا، کسی کے گھر میں سیندھ لگا دے، کچھ اُٹھا کر لے جائے۔ اسی لئے سب کا پتہ محفوظ رکھتے ہیں۔ چین والے تو اس سے بھی زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ یعنی بازار میں گذرنے والے مسافروں کی تصویریں بھی تیار کر لیتے تھے۔ کسی وجہ سے وہ مسافر چین سے بھاگ جاتا تو ملکوں ملکوں اس کی تصویریں بھیج دی جاتیں۔ جہاں کہیں ملتا پکڑا جاتا۔"

"چچا جان معلوم ہوتا ہے چینیوں کو ڈرائنگ خوب سکھائی جاتی ہوگی۔ ہمارے یہاں تو جہاں ٹنڈ پرنسپل روداں ہوئی اور اتنے میں گھنٹہ بج گیا ڈرائنگ میں روفی کا ہاتھ تو بہت ہی صاف ہے تبھی تو پچھلے سال ڈرائنگ میں انھیں انعام ملا تھا۔" اس پر روفی نے ذرا کی ذرا اپنا سر اُٹھایا اور اچھن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ گویا کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ چچا بولے: "روفی میاں! بات تو جب تھی کہ تم چین میں انعام حاصل کرتے یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ کہ انسپکٹر صاحب آئے سرسری طور پر دو چار تصویروں کو الٹ پلٹ کر انعام کا حکم لگا دیا۔ اگر چین میں انعام لینا ہوتا تو بادشاہ کے حکم سے تصویر سال بھر تک محل کی دیوار پر لٹکی رہتی۔ جو آتا جاتا اُسے دیکھتا۔ اور اگر کوئی عیب ہوتا۔ تو وہیں کا وہیں تصویر کے

اوپر ہی لکھ دیتا۔ اگر ایک برس تک کوئی عیب نہ نکلتا۔ تب کہیں کاریگر کو جاکر انعام ملتا۔"

"ابھی تو ایک انسپکٹر کیا۔ مصور کے لئے تو ہر شخص انسپکٹر بنا ہوگا۔"

"ہمیں تبھی تو وہاں کے مصوروں نے اپنے کام میں اس قدر مشق، اپنی انگلیوں میں اتنی چابکدستی بہم پہنچائی تھی، اور پھر کام کو جانچنے پرکھنے والے بھی اُن کے ہم وطن جو خود سینکڑوں سال سے حسین چیزوں کو بناتے اور استعمال کرتے رہے ہیں۔ ایک دفعہ ایک مصور نے گیہوں کی بالی پر بیٹھی ہوئی ایک چڑیا کی تصویر کھینچی۔ یہ تصویر بادشاہی محل کی دیوار پر لٹکی رہی۔ ہفتوں، مہینوں گذر گئے کسی نے اس پر اعتراض کا ایک حرف بھی نہ لکھا۔ آخرکار سال ختم ہوگیا اور وہ مبارک دن آپہنچا جب انعام ملنے کو تھا۔ اتفاق سے اسی دن ایک شخص ادھر سے گذرا۔ اُسے خیال آیا کہ ہلکی پھلکی چڑیا کے بیٹھنے پر بھی گیہوں کی بالی کو جھک جانا چاہئے تھا۔ یہ عیب اُس نے تصویر کے نیچے لکھ دیا۔ شام کو مصور آیا تو دیکھا کہ اُس کے کام کا فیصلہ کوئی چلتا پھرتا گمنام شخص کر گیا۔ مگر فیصلہ سچا تھا، مصور کو یہ فیصلہ تسلیم کرنا پڑا۔ تصویر اتارلی گئی اور مصور انعام سے محروم رہا۔

اتنے میں چائے آگئی۔ روفی میاں چائے دانی کی طرف لپکے، اس پر اچھن نے ذرا سنجیدہ ہوکر کہا "دیکھو میاں چین نے ایک دنیا کو تمیز اور تہذیب سکھائی، مگر تمھیں اب تک نہ آئی۔ آج عمر میں ایک دفعہ تو چین کی یاد میں اس کا دیا ہوا عطیہ چائے انھی کی بنی ہوئی چینی کی پیالی میں ان تمام آداب مجلسی کے ساتھ پیو، جس کے لئے چینی پرانے زمانے میں اتنے مشہور تھے۔"



بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی

چیونٹی رانی

ابن الطارق

دیکھو بھائی چیونٹی رانی
دھیرے دھیرے وہ چلتی ہے
سوچو تو وہ کب سوتی ہے
چینی کا جو ذرہ پاتی
دن دن بھر وہ پھرتی رہتی

بڑی بہادر ہے اور شیلانی
دانے منکے پر چلتی ہے
کب ہنستی اور کب روتی ہے
بڑے شوق سے اس کو کھاتی
پھر بھی کبھی نہیں سستاتی

چیونٹی سا اب کام کریں ہم
اور تھوڑا آرام کریں ہم
پڑھ کر صبح و شام کریں ہم
اور دنیا میں نام کریں ہم

میاں پھٹ پھٹ

جاوید جگن پوری

رُت وہ رُت جس کو کہتے ہیں برسات
آؤ آؤ چلیں کہیں باہر
باغ کے پاس آتے ہی جیسے
کچھ نہ سمجھے کہ آگئی پھسلن

رات بھی کون چودھویں کی رات
کیا کریں گے پڑے پڑے گھر پر
باتوں باتوں میں گھوم گئے اتنے
ہم تھے اپنے مزے میں خواب مگن

اصلاح کے بعد

اتنے میں جیسے زلزلہ آئے
جس طرح پاؤں سب کے چکرائے
معرکہ سخت تھا مگر سمجھو
خیر گزری کہ بچ گئے سب لوگ
سارے ٹکرا گئے تھے جو ہم سے
ہوئے دوچار اک ذرا خم سے
گرتے گرتے سنبھل گئے ہم بھی
پاؤں گو ہو گئے تھے کچھ خم بھی
لے گئے پاؤں بچا کے اپنی جان
رہ گئے لڑکھڑا کے اسلم خان
ننھا ارشد بھی لے گیا بازی
گر کے کھائی جو اک قلابازی
معرکہ جب کہ ہو چکا [illegible]
اپنے لڑکوں پہ تب پڑی اپنی نظر
"داغ دیکھے تو اس کے جائیں گے مٹ"
سوچتے تھے کہ اتنے میں چھٹ پھٹ"
آ رہے تھے چاہیئے اپنے
اب تو کچھ ہم بھی ہو سے چکے
اور جو سوجھی ہمیں شرارت ایک
شکل صورت بنائی پہلے نیک
پھر کہا دیکھیے ذرا حضرت!
آپ ہم سب کے ہیں بزرگ صفت
بات تو جب تھی جب ہرا دیجے
دوڑ کر آپ ہم کو پا لیجے
آگیا تاؤ اُن کو یہ سُن کر
یوں چلے جیسے برق یا صرصر
جوں ہی پھسلن پہ آئے وہ حضرت
گر کے کیچڑ میں ہو گئے لت پت

شرم سے ہر طرف وہ تکتے تھے
پھیر کر ہم بھی منہ کو ہنستے تھے

مچھر نامہ

دل افروز ۔ رام پور

کیا بلائے ناگہانی مچھروں کی فوج ہے
ظلم اور آفت کی بانی مچھروں کی فوج ہے
پھر رہی خوب اٹھلاتی اکڑتی ہر طرف
دیکھئے کتنی بہادر مچھروں کی فوج ہے
بھنبھناہٹ سے اڑی ہے نیند ہر انسان کی
ہر طرف سے حملہ آور مچھروں کی فوج ہے
اک طرف ہے ہاتھا پائی اک طرف تلوار ہے
آئی گویا لیس ہو کر مچھروں کی فوج ہے
ہم نے اک مچھر کو مارا آگئے مچھر ہزار
کس قدر شوخ اور ستم گر مچھروں کی فوج ہے
شام ہو یا صبح ہر گھڑی رہتے ہیں یہ
میہماں آئی یہ بن کر مچھروں کی فوج ہے
یا الٰہ العالمیں ٹھنڈی ہوا کو بھیج دے
بھاگ جائے جو یہاں پر مچھروں کی فوج ہے

بچوں کی محفل

محمود احمد کریمی ۔ دربھنگہ

یہی ابتدائی ہے منزل ہماری — سبھی کو پیاری ہے محفل ہماری
عجب شان میں ہم یہ بچپن ہمارا — گذرتا ہے اچھا لڑکپن ہمارا
یہی شوخیاں اور ادائیں ہماری — یہ سب شور غل اور صدائیں ہماری
بڑھاتی ہیں رونق کو گھر کی ہماری — اندھیرے میں جیسے چمکتے ہوں تارے
سمجھتے ہیں سب ہم کو نعمت خدا کی — خدا کا کرم اور رحمت خدا کی
بہت قابلِ رشک ہے زندگانی — خدا اس پہ ہو شیار ہو عمر فانی
مگر بھائیو! کیا یہ "تاروں کی محفل"
بنے گی کبھی "نہ یاروں کی محفل"

جگنو

گلاب آتما رام ۔ بنارس

آؤ تو اک رات کی تم کو آج سناؤں بات
برس رہا تھا پانی رم جھم کالی تھی وہ رات
ہوا میں جگنو اڑتے تھے کیا سندر تھے نظارے
آئے ہوں آکاش سے جیسے ٹوٹ کے ننھے تارے
کچھ نہ سجھائی دیتا تھا وہ رات تھی ایسی کالی
جگنو دیپک جلا جلا کر کرتا تھا اجیالی
مجھ کو ان کی چمک جو بھائی دوڑ کے اک کو پکڑا
اور اپنی ٹوپی میں جھٹ پٹ میں نے اس کو رکھا
ادھر ادھر ٹوپی کے اندر بہت وہ اچھلا کودا
لیکن باہر جانے کا جب ملا نہ اس کو رستا
بولا تب دکھیارا قیدی چھوڑ دے مجھ کو شکاری
میں نے تیرا کیا ہے بگاڑا مت لے جان ہماری
میں: چپ رہ لے نادان قیدی چپ رہ لے نادان
میں نہ ستاؤں گا تجھ کو کیوں دیتا ہے تو جان
اجیالے میں دن کے مجھ پر کھلے گا تیرا حال
آخر قدرت نے یہ تجھ میں رکھا کیا ہے
جگنو: چمک ہماری دن میں ہرگز پاؤ گے نہ تم
اجیالے میں دن کے تو وہ ہو جاتی ہے گم



کنجوس

سید فخر عالم، دسنوی ۔ پٹنہ

کام کرنے والے

سیٹھ رتن لال :۔ ایک کنجوس سیٹھ
بدھوا :۔ سیٹھ رتن کا نوکر
رام سروپ :۔ گاؤں کا چوکی دار
چودھری اور فقیر وغیرہ

کھٹ! کھٹ!! کھٹ!!!

سیٹھ رتن لال :۔ کون ہے رے؟

آواز :۔ میں ہوں۔

سیٹھ :۔ ارے میں کون؟

آواز :۔ جی میں رام سروپ۔

سیٹھ :۔ ارے بدھوا، ذرا دیکھ تو کون ہے؟

بدھوا :۔ جی سرکار دیکھا۔

سیٹھ :۔ ابے جی کا بچہ، دیکھتا ہے کہ نہیں؟

(بدھوا جا کر کواڑ کھولتا ہے، رام سروپ داخل ہوتا ہے۔)

رام سروپ :۔ پرنام سرکار

سیٹھ :۔ کیا کام ہے؟

رام سروپ :۔ بڑا جروری (ضروری) کام تھا سرکار۔

سیٹھ :۔ کہو بھی تو۔

رام سروپ :۔ مہاراج، آپ گریب پرور (غریب پرور) ہیں۔ دیہات کا کوئی کونا ایسا نہ (نہیں) ہے، جہاں حجور (حضور) کا نام نہ ہو۔ بوڑھا بچہ آپ کی تعریپھ (تعریف) کرتا ہے۔ آپ ہی کے آسرے تو ہم لوگوں نے اتنی بڑی جند گی (زندگی) کاٹی آپ کو کیا دعا دیں سمجھ میں نا آت ہے (آتا ہے)

سرکار، ایک کام کھاتر (خاطر) حاجر (حاضر) ہوا ہوں۔ جیرا (ذرا) کہتے سرم (شرم) لاگے ہی (لگتی ہے) کھیر (خیر) کہہ دیتا ہوں ججور (حضور) میرے (مجھے) اس وکت (وقت) تھوڑا روپیہ کی بڑی جرورت (ضرورت) ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

سیٹھ:- بس! بس!! سمجھ گیا۔ تم ہم کو پھسلانے آئے ہو۔ ہم سیٹھ ہیں! سیٹھ!! بچے نہیں۔ اے بدھوا سنتا ہے۔ ذرا اس کم بھت (کم بخت) کو ڈیوڑھی دکھا دے۔

بدھوا:- اچھا سرکار! ابھی دکھلائی۔

(رام سروپ کو کمرے سے باہر نکال دیتا ہے۔ اتنے میں ایک فقیر باہر سے سوال کرتا ہے۔)

آواز:- ہرے گنگا تو ہر (تیرا) مائی[1] جیئے۔ تو ہر (تیرا) بپا[2] جیئے۔ پھول پھل جاوے۔

سیٹھ:- ہے بھگوان! میں تو ان لوگوں سے عاجز آ گیا ہوں۔ ایک منٹ بھی چین نہیں لینے دیتے۔

فقیر:- بابا! یہ سور داس دو روز کا بھوکا ہے۔ کچھ کھانے کو دے دے۔ تو ہر دھن میں۔۔۔۔۔۔۔

سیٹھ:- جا! جا! پورن ماشی کو آنا۔ اے بدھوا سنتا ہے۔ ذرا سائیں[3] کو گلی دکھا دے۔

(بدھوا فقیر کو باہر کر کے دروازہ بند کر دیتا ہے۔)

کھٹ! کھٹ!! کھٹ!!!

سیٹھ۔ (آہستہ سے) ہے رام! آج کس کا منہ دیکھ کر اٹھے تھے!! (ایک وقفے کے بعد) کون ہے؟ چودھری! او بدھوا۔ جا کواڑ کھول دے۔

(بدھوا کواڑ کھولتا ہے۔)

چودھری:- (اندر آتے ہوئے) سیٹھ جی اچھے تو ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اے بھائی وہ گوشالا کے پاس ایک پنڈت جی کل سے آئے ہوئے ہیں نا! گاؤں والوں کا ارادہ ہے کہ ان سے ہری کرتن، سنا جا دے اور ہم سے سب نے اس کے لئے چندہ جمع کرنے کو کہا ہے۔ سوچا۔ صبح کا وقت ہے۔ سیٹھ رتن لال کے چندہ سے بوہنی کی جائے، اور ہاں سنا وہ جو ڈپٹی صاحب تمہارے نام پر تیس روپے جرمانہ کر گئے تھے؟ وہ ہم نے معاف کرا دئے۔ گرچہ بھئی بہت پریشانی۔۔۔۔۔

سیٹھ (جلدی سے خوش ہو کر) معاف ہو گیا

---

[1] ماں [2] باپ [3] فقیر

چودھری! ایں معاف ہو گیا! تمھارا بھلا ہو۔ اس سمیں (وقت) تیس روپیہ تھوڑا ہے۔ ہاں ہماری طرف سے کتنا چندہ ہوگا؟

چودھری :- ارے بھائی کتنا دتنا کیا۔ دس کے چھ نوٹ دے دو۔ سبھا میں ذرا کھانا پانی بھی تو کرنا ہے۔

سیٹھ :- بھئی یہ تو بہت ہے۔

چودھری :- بہت وہت کیا۔

سیٹھ :- جیسی تمھاری مرضی

(چودھری مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ رتن لال پاس کے پڑے ہوئے زنگ آلود ڈبے سے روپیہ نکالتا ہے اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے گنتا ہے۔ پانچ..... دس..... پ..... پندرہ..... ب..... ب..... بیس..... ت..... تی..... تیس..... پچ.....

(پردہ)

شریر لڑکی

ز حاجی جوہر چاندوڑی

شور مچاتی ہے وہ اکثر
چین نہیں لیتی ہے دم بھر
گھر کو اٹھاتی ہے وہ سر پر
شریر لڑکی جو ہوتی ہے

شوق سے مکتب کب ہے جاتی
اپنی شرارت ہے وہ دکھاتی
گھر کو سیدھی کب ہے آتی
شریر لڑکی جو ہوتی ہے

اچھے کھانوں پر مرتی ہے
ہر ایک بات پہ ضد کرتی ہے
اپنی بات کا دم بھرتی ہے
شریر لڑکی جو ہوتی ہے

گو وہ محبت سے پلتی ہے
اپنی بات سے کب ٹلتی ہے
ماں کے کہے پر کب چلتی ہے
شریر لڑکی جو ہوتی ہے

قینچی سی وہ زبان چلاتی
باز شرارت سے نہیں آتی
ایک کہو تو چار سناتی
شریر لڑکی جو ہوتی ہے

کہتے ہیں سب پگلی پگلی
پھرتی ہے ہر دم مچلی مچلی
رہتی ہے سب سے بدلی بدلی
شریر لڑکی جو ہوتی ہے

بچّوں کی کوششیں

پہیلیاں

باڑ میں باڑ، باڑ میں کھونٹا، کاٹے بکنی دودھ میٹھا

(شہد کی مکھی)

بات پہ بات، بات پہ کانٹا بتاؤ تو بتاؤ ورنہ لگاؤں چانٹا

(ناگ پھنی)

جناب عالی، سر پر جالی۔ ہڈیاں بہت پیٹ خالی

(عبد لوہاب، رائے پور) ——— (مونڈھا)

چتلی مرغی دم دراز انڈے دے وہ بے شمار

مچھلی

ندیا کنارے چیل بکرے۔ ندیا سوکھ گئی مر گئے

(چراغ)

مولی کا سا قتلا، دہی کا سا جبیں بتاؤ تو بتاؤ ورنہ چلو میرے دیس

——— (روپیہ)

چاند سے چکلا۔ پان سے پتلا (پاپڑ)

چار گھڑے رس کے بھرے چور تکے نہ سکے

(سید کوکب عباس، ردھوی) گائے کے تھن

لطیفے

مجسٹریٹ :- تمہارے خلاف کوئی خاص گواہی نہیں

اسلئے گھڑی چرا لینے کے الزام سے بری کئے جاتے ہو۔

ملزم :- تو میں اب گھڑی اپنے پاس رکھوں، یا

گھڑی کے مالک کو دے دوں۔

استاد :- تمہارا چال چلن بہت اچھا ہے

شاگرد :- مگر ماسٹر صاحب میں تو لنگڑا ہوں

سید رفیق احمد شاہ۔ دہلی

لڑکا :- اماں جان یہ سراسر غلط ہے کہ جو وقت گذر جاتا

ہے، پھر ہاتھ نہیں آتا۔

ماں :- (تعجب سے) وہ کیسے۔

لڑکا :- میرا اسکول جانے کا وقت ہر صبح آجاتا ہے۔

ایک دوست :- بھئی تم نے اپنے لڑکے کو وکیل کیوں

بنایا، کوئی اور پیشہ نہ تھا؟

دوسرا دوست:- بھئی کیا کروں اُسے بچپن ہی سے جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔

علاؤ الدین قریشی

پہلا دوست:- کیوں بھئی کیا وقت ہوگا۔

دوسرا دوست:- .... بج کر ۲ منٹ

پہلا دوست:- یعنی؟

دوسرا دوست:- بھئی معاف کرنا، میری گھڑی میں صرف منٹ کی سوئی ہے، گھنٹے کی سوئی ٹوٹ گئی ہے۔

محمد ہارون، مالیگاؤں

لڑکا:- (سوتے سے جاگ کر) اماں پیاس لگی ہے۔

ماں:- (جھنجھلا کر) سو رہو، ورنہ بید سے پیٹوں گی۔

لڑکا:- جب بید لینے جائیے تو پانی بھی لیتی آئیے۔

سوہن:- رات تو میں ریل کے نیچے آگیا۔

موہن:- پھر بچ کیسے گئے۔

سوہن:- ریل اوپر پُل پر سے گذر گئی اور میں نیچے کھڑا رہا۔

(نعیم الرحمٰن۔ سہارنپور)

نوکر:- (ڈاکیے سے) میرے آقا کا کوئی خط آیا ہو تو دے دو۔

ڈاکیہ:- نام بتاؤ۔

نوکر:- واہ بھئی وہ تو خط پہ لکھا ہوگا۔

(شفاالے مرزا)

بوجھو تو

۱۔ اپنا اپنا مال ٹانگے پر سے جاؤ	مالٹا
۲۔ کھلانا بیٹھے رہنے سے بہتر ہے	سیب
۳۔ رشید کی ٹانگ ورزش کرتے وقت ٹوٹ گئی	انگور
۴۔ رفیق احمد خاں اردو کا ماسٹر ہے۔	انار
۵۔ نواب کے رجسٹر کے لال ورق غائب ہوگئے۔	کیلا
۶۔ احمد جب اسٹیشن گیا، مراری لال ریل میں تھا	آم
۷۔ سلطان اپنی گلی میں سب سے شریف ہے۔	شریفہ

عبد الحفیظ۔ صدر بازار دہلی

مٹھائیوں اور سبزیوں کے نام بوجھو

۱۔ آم کے پیڑ انگلستان میں نہیں ہوتے	پیڑا
۲۔ بابر فیاض بادشاہ تھا	برفی
۳۔ جاپان کے دو بڑے جہاز کل ڈوب گئے	لڈو
۴۔ نسیم نے شمیم سے کہا یہ کام رتی برابر مشکل نہیں	امرتی
۱۔ سیم ٹرنک کھولتا ہے۔	مٹر
۲۔ جگو بھی ہماری کلاس میں پڑھتا ہے	گوبھی
۳۔ گشل غم گین نظر آتا ہے۔	شلغم

عتیق الحسن کلکتہ۔ محمد ارشد، کراچی



پیام تعلیم جوبلی فنڈ

پچھلے پرچے میں ہم نے پیام تعلیم جوبلی فنڈ کا اعلان کیا تھا۔ مختصر طور پر یہ بھی بتایا تھا کہ جامعہ اس وقت جو کام کر رہی ہے، ان کے علاوہ اور کیا نئے کام شروع کرنے والی ہے۔

جامعہ کے جوبلی کے دفتر نے اس سلسلے میں چند ننھی ننھی کتابیں بھی چھاپی ہیں، ان میں ان کاموں کے بارے میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ یعنی یہ کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً ایک صنعتی مدرسہ کھولنے کا خیال ہے۔ اس میں مڈل پاس لڑکوں کو لیا جائے گا۔ اور لوہے کا کام، بڑھئی کا کام، بجلی کا کام، انجینیرنگ، مصوری اور دوسرے کام سکھائے جائیں گے۔

لڑائی کے بعد ہمارے دیس میں صنعت و حرفت خوب ترقی کرے گی۔ اتنی ترقی کرے گی کہ ہم تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اس وقت پڑھے لکھے اور سمجھ دار دستکاروں کی بہت مانگ ہوگی اور ہمارا مدرسہ ایک نعمت ثابت ہوگا

اسی طرح جامعہ میں لڑکوں کے مدرسے تو کئی ہیں، لڑکیوں کا ایک بھی نہیں، اب جامعہ لڑکیوں کا مدرسہ بھی کھولنا چاہتی ہے۔ ملک میں لڑکیوں کے مدرسے تو بہتیرے ہیں مگر ایسے بہت کم ہیں جن میں پڑھائی کے ساتھ لڑکیوں کی تربیت کا خیال بھی رکھا جاتا ہو۔ ہماری جامعہ کے مدرسے میں اس بات پر خاص توجہ کی جائے گی اور ہاں ننھے بچوں کے لئے بھی تو ایک مدرسہ کھلے گا وہی جسے کنڈر گارٹن

کہتے ہیں۔ اس میں چھوٹے بچّوں کی تربیت کا خاص انتظام کیا جائے گا۔
ہمارے پچھلے امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری مرحوم جامعہ میں بچّوں کا ایک شفاخانہ کھولنا چاہتے تھے۔ ناوقت موت نے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی۔ ان کی یادگار میں ایک شفاخانہ کھولا جائے گا۔ "انصاری شفاخانہ" یہ بچّوں کے علاج کے لئے ایک "نمونے کا شفاخانہ" ہوگا۔ علاج معالجے کے علاوہ یہاں ایسی باتیں بھی بتائی جائیں گی کہ لڑکا بیماری نہ پڑے جو علاج معالجے کی ضرورت ہو۔
جامعہ نگر میں کوئی مسجد بھی نہیں ہے۔ یوں ہی کام چلانے کے لئے ایک عارضی عمارت بنالی ہے۔ جامعہ ایک شاندار مسجد بنانا چاہتی ہے جس میں کم سے کم ڈھائی تین ہزار آدمی اپنے ایک اللہ کی عبادت کرسکیں۔
جامعہ کا ایک کتب خانہ بھی ہے، بہت بڑا۔ کوئی بیس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں مگر جامعہ سے بہت دور قرول باغ میں۔ جامعہ نگر میں کوئی اتنی بڑی عمارت ہی نہیں ہے کہ اتنا بڑا کتب خانہ اس میں آسکے۔ جامعہ اس کے لئے بھی ایک عمارت بنوانا چاہتی ہے۔
غرض یہ اور اسی طرح کے اور بہت سے بڑے بڑے کام ہیں۔ جامعہ والوں کا خیال ہے کہ ان کاموں کے لئے کم سے کم دس لاکھ روپے کی ضرورت ہوگی۔ اتنی ہی رقم جمع کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔ روپیہ جمع ہو رہا ہے۔ اور ان اچھے اچھے کاموں کے لئے ہر طرف سے روپیوں کی تھیلیاں پیش کی جارہی ہیں۔ تمھارے بھروسے پچھلے پرچے میں ہم نے بھی "پیام تعلیم جوبلی فنڈ" کا اعلان کردیا ہے۔ دیکھنا بھئی کہیں شرمندہ نہ کرنا۔ اصل میں تو یہ سب کچھ تمھارے اور تمھارے بھائی بہنوں کے لئے کیا جارہا ہے تو اپنی اس عمارت کے بنانے میں تم خود بھی کیوں نہ حصہ لو
ہم نے تمھارے پاس الگ الگ خط بھی بھیجے ہیں۔ ان خطوں کے جواب کا ہمیں بہت انتظار رہے گا۔

تمہارا
محمد حسین حسان

بڑے لڑکوں کے مضمون

ایک دن اسکول میں

محمد امین ، لاہور

(لڑکے قرینے سے بیٹھے ہیں ۔ ماسٹر صاحب عینک کو ناک کے بانسے پر جمائے ایک کتاب کھول رہے ہیں)

ماسٹر صاحب :- کیا سب لڑکے حاضر ہیں ؟

مانیٹر :- جی ہاں ! سب حاضر ہیں ۔

ماسٹر صاحب :- اچھا کل کا سبق یاد ہے سب کو ۔

لڑکے :- جی ہاں ۔ یاد ہے ۔

ماسٹر صاحب :- اچھا علی محمد اِدھر آؤ ۔ یہ لفظ پڑھو ۔

علی محمد :- کون سا ماسٹر صاحب ؟

ماسٹر صاحب :- ابے ۔ یہ جو میری دو انگلیوں کے درمیان ہے ۔

علی محمد :- دائیں ہاتھ کی یا بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان ؟

ماسٹر صاحب :- ابے الّو میرا جو ہاتھ کتاب پر ہے اس کی دو انگلیوں کے درمیان ۔

علی محمد (ماسٹر صاحب کی انگلیاں ٹٹول کر) یہاں تو کچھ بھی نہیں ؟

ماسٹر صاحب :- غور سے دیکھ غور سے ۔

علی محمد :- آپ کی دو انگلیوں کے درمیان خالی جگہ ہے ۔

ماسٹر صاحب :- چل ہٹ جاکر وہاں کھڑا ہو جا ۔ نالائق کہیں کا ۔ سردار تو آ ۔

سردار :- فرمائیے ۔

ماسٹر صاحب :- تجھے کل کا سبق یاد ہے ؟

سردار :- بالکل ۔

ماسٹر صاحب :- بتا یہ میری انگلی کے پاس کیا ہے ۔

سردار :- انگوٹھا ۔

ماسٹر صاحب :- ابے انگوٹھے کے بچے یہ لفظ کیا ہے ؟

سردار :- کون سا ماسٹر جی ؟

ماسٹر صاحب :- ابے جس پر میری انگلی رکھی ہوئی ہے ۔

سردار :- آپ نے اوپر انگلی رکھ دی ہے تو میں دیکھوں کیسے ؟

ماسٹر صاحب :- دفع ہو جا، شریر - باتیں کرنے میں طاق ہیں - لاتیں لگیں، تو ہوش درست ہو جائیں - موہن ادھر آ -

موہن :- جی فرمایئے -

ماسٹر صاحب :- یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے ؟

موہن :- کتاب ہے -

ماسٹر صاحب :- کون سی کتاب ہے

موہن :- اگر کتاب گتے کی جلد میں لپٹی ہوئی نہ ہوتی تو میں بتا دیتا -

ماسٹر صاحب :(کتاب کھول کر) اب بتا -

موہن :- اگر آپ کا ہاتھ کتاب پر نہ ہوتا تو ضرور بتا سکتا -

ماسٹر صاحب :- تو بڑا نالائق ہے - بات سے بات نکالتا ہے - کم بخت اپنی جگہ پر چلا جا عابد، تو آ -

عابد :- جی

ماسٹر صاحب :- (ایک تصویر پر انگلی رکھ کر) یہ کیا ہے ؟

عابد :- آپ

ماسٹر صاحب :- بے وقوف -

عابد :- ہاں جی آپ

ماسٹر صاحب :- میں کیسے ؟

عابد :- یہ ڈاڑھی، اور یہ عصا، اور یہ عینک ناک کے بانسے پر، اور یہ نسوار کی ڈبیا - سب کچھ آپ سے ملتا جلتا ہے -

ماسٹر صاحب :- ابے یہ ایران کے درویش ہیں یعنی

"حامی العصری الطہرانی نور اللہ مرقدہٗ"

سب لڑکے :- بہت خوب نام چھوٹا سا ہے
(چھٹی کی گھنٹی بجتی ہے -)

ماسٹر صاحب :- چلو جاؤ، کل سب تم وہ لفظ یاد کر لانا جس پر میں نے انگلی رکھی تھی -

لڑکے :- کس لفظ پر آپ نے انگلی رکھی تھی ؟

ماسٹر صاحب :- جو اس کتاب میں ہے !

لڑکے :- کس کتاب میں ہے ؟

ماسٹر صاحب :- جو میرے ہاتھ میں ہے -
(ماسٹر صاحب چلے جاتے ہیں - لڑکے ہنستے ہیں -)

(پردہ گرتا ہے)

اخروٹ

ایم سعید اللہ صدیقی ، رام پور

اخروٹ کا درخت بہت اونچا ہوتا ہے۔ اور اس کی لکڑی چکنی ، مضبوط اور سفیدی مائل بھورے رنگ کی ہوتی ہے۔ وارنش کے بعد اور بھی چمک دار اور خوب صورت ہو جاتی ہے۔ اس لکڑی سے زیادہ تر کرسیاں ، میزیں ، الماریاں بندوق کے کندے اور دوسری آرائشی چیزیں بنائی جاتی ہیں اس کی چھال ، رنگنے دانتوں پر ملنے اور دواؤں کے کام آتی ہے۔ پنجاب میں اسے "دنداسہ" کہتے ہیں۔ اخروٹ کے ہرے خول کو بھی بعض اوقات ہونٹوں کو سرخ کرنے کے لئے ملا جاتا ہے۔ کپڑے رنگنے اور چمڑا پکانے کے کام بھی آتا ہے۔ جنگلی اخروٹ کا چھلکا بہت سخت ہوتا ہے۔ جن اقسام کی کاشت ہوتی ہے۔ اُن کے چھلکے نرم و نازک ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان اخروٹوں کو کاغذی اخروٹ کہتے ہیں۔

اخروٹ کا تیل بھی نکالا جاتا ہے۔ اس کے پتے جانوروں کو کھلائے جاتے ہیں۔

اس کی کاشت پہاڑوں میں بیجوں کے ذریعے کی جاتی ہے۔ ماہ ستمبر کے آخر میں یہ پھل پک کر تیار ہو جاتے ہیں۔ انھیں گھڑوں میں ریت کے اندر رکھ دیتے ہیں۔ اور گھڑوں کو زمین میں دبا دیتے ہیں۔ گھڑوں کے منہ پر لکڑی کی ڈاٹ لگا دی جاتی ہے۔ جنوری یا فروری میں انھیں بو دیتے ہیں۔ اگر کیاریوں میں بوتے ہیں تو بڑی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اگر بیجوں کو گملوں میں بویا جائے تو بہت اچھا ہے۔ چھ ماہ میں یہ پھوٹ اُگتے ہیں جب پنیری ایک سال کی ہو جائے تو اس کی جڑ کی موصلی کسی قدر کاٹ کر کیاریوں میں لگا دیتے ہیں۔ جب پنیری پورے تین سال کی ہو جائے تو اُسے برسات میں ایک مستقل جگہ لگا سکتے ہیں۔ علاقہ کشمیر اور ہمالیہ پہاڑ سلسلۂ شمالی مغربی ۱۵۰۰ فٹ کی بلندی تک یہ درخت بکثرت پایا جاتا ہے +

اِدھر اُدھر سے

اب سے مدتوں پہلے یورپ کا سفر معمولی جہازوں میں کیا جاتا تھا۔ لوگ مہینوں میں پہنچ پاتے تھے۔ اس کے بعد دخانی جہازوں کا رواج ہوا۔ پھر بھی انگلستان پہنچنے میں تیز سے تیز جہاز کو ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ لگ ہی جاتا تھا۔ مگر اب ہوائی جہاز کے ذریعے انگلستان، ہندوستان اور ہندوستان سے انگلستان لوگ دو روز میں پہنچ جاتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ لڑائی کے بعد ہوائی سروس عام ہوجائے گی اور جو لوگ ریل کے پہلے اور دوسرے درجے کا کرایہ ادا کرسکتے ہیں وہ ہوائی جہاز سے سفر کیا کریں گے اور تین گھنٹے میں دلی سے کراچی، بمبئی، کلکتہ پہنچ جایا کریں گے۔

روس میں اس سال ۷۲ ہزار عورتوں کو دلیری کا کام کرنے پر انعام دئے گئے ہیں۔ وہاں ۷۰ فی صدی عورتیں کلوں کے پرزے بنانے کی صنعت میں مصروف ہیں۔ ۱۰ ہزار مشینوں کے ہل چلاتی ہیں۔ ۲۱ ہزار عورتیں مشترکہ کھیتوں کی انجمنوں کی صدر ہیں۔

جوزف اسٹالین کوہ قاف کے ایک بوٹ بنانیوالے کا بیٹا ہے اس کی حکومت سولہ کروڑ آدمیوں پر ہے

کیلی فورنیا (امریکہ) میں ایک عجیب قسم کا کیڑا پایا جاتا ہے۔ یہ پیٹرولیم کے چشموں میں رہتا ہے اور نہیں مرتا۔ کوئی جانور اس میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب چند ہفتوں میں اس کا قد ایک تہائی انچ کا ہوجاتا ہے تو چشمے کے پاس ہی تیل میں بھیگی ہوئی زمین میں رہنے لگتا ہے۔ دو ہفتے بعد مکھی بن کر اڑ جاتا ہے۔


ہندوستانی مونچھوں
کے
کچھ نمونے
مرسلہ محمد غوث انصاری

پروجکٹ نمبر ۲



"غلطیاں نہ کرو"

پروجکٹ نمبر ۲
شمارہ نمبر ۳ "غلطیاں نہ کرو"

پروجکٹ نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱ کے غلطیاں نہ کرو مقابلے کے ۱۲ حل آئے۔ ان میں سے ۵ حل ان پیامیوں کے تھے جو برادری کے ممبر نہیں ہیں۔ اس لیے انھیں مقابلے میں شریک نہیں کیا گیا۔ ان حلوں میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کوئی بھی انعام کا مستحق نہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اتنے سارے ممبروں میں سے ایک ممبر بھی صحیح جملے لکھ کر نہیں بھیج سکا۔

امید ہے کہ پیامی ممبر زیادہ تعداد میں "غلطیاں نہ کرو" مقابلے میں حصہ لیں گے۔

پروجکٹ نمبر ۲۔ شمارہ نمبر ۱ کے صحیح جملے یہ ہیں

۱۔ میرا مکان جامع مسجد کے پیچھے واقع ہے۔
۲۔ براہ مہربانی مجھے مقابلے میں شریک کیجیے۔
۳۔ ایک سال کے لیے پیام تعلیم میرے نام جاری کر دیجیے یا کیجیے۔
۴۔ مجھے کل بازار جانا تھا لیکن بارش کی وجہ سے نہ جا سکا۔
۵۔ اگر زمانے کا یہی حال رہا تو گزر مشکل ہے۔
۶۔ پیام تعلیم کا چندہ کے روپے ہے۔
۷۔ میں نے معما نمبر ۲ کو حل کرنے کی بہت کوشش کی مگر مجھ سے حل نہ ہو سکا۔
۸۔ اکثر کھٹی تیز کر مٹھائی کھانے سے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔
۹۔ میں تین روٹیاں کھاتا ہوں۔
۱۰۔ ذرا یہاں آئیے۔
۱۱۔ اپریل کے پیام تعلیم کا معما حل کر کے بھیج رہا ہوں۔
۱۲۔ رسالہ دیر میں ملا اس لئے حل بھی دیر میں بھیج رہا ہوں۔

قواعد (۱) اس مقابلے میں صرف پیام برادری کے ممبر حصہ لے سکتے ہیں (۲) مقابلے میں شامل ہونے کی کوئی فیس نہیں۔ (۳) ہر حل کے اوپر "غلطیاں نہ کرو" کوپن یا اس کی نقل کا چسپاں ہونا ضروری ہے۔ (۴) خوش خط لکھائی، صفائی اور عام خوب صورتی کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ (۵) اس کا حل تم سستے لفافے میں بھیج سکتے ہو۔ شاخ کے سارے ممبر اپنے حل اکٹھا بھیج سکتے ہیں۔ (۶) جس کا حل بالکل صحیح ہوگا اسے انعام میں ایک کتاب دی جائے گی (۷) جواب میں ان جملوں کے دہرانے کی ضرورت نہیں صرف نمبر دے کر اس کے سامنے جملہ لکھ دو مثلاً اس کتاب کا کیا نام ہے۔
(۸) سارے حل رسالہ پہنچنے کے پندرہ دن بعد دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں۔ پتہ:۔ مشتاق بھائی، پیام برادری، مکتبہ جامعہ، دہلی۔ قرول باغ

ان جملوں میں زیادہ تر واحد جمع کی غلطیاں ہیں صحیح کرو

۱۔ میرا خاص شوق گھوڑے کی سواری ہے اور چند مہینے ہوئے میں نے ایک اچھا سا گھوڑا پانچ سو روپیوں میں خریدا ہے۔

۲۔ میں اُدھر دو تین مہینوں سے غیر حاضر رہتا تھا اس لیے امتحان میں گول ہو گیا۔

۳۔ مجھے کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق ہے اور اس وقت میرے پاس کوئی پچاس جلد کتابوں کی ہوگی۔

۴۔ آپ کا والد کیا کام کرتا ہے۔

۵۔ اس کتاب کا کیا دام ہے۔

۶۔ اگر تمھارا کرتوت اچھا ہے تو سبھی تمھاری عزت کریں گے۔

۷۔ میں پیچھے سے امرود کے پیڑ پر چڑھا مگر مالی کو دیکھتے ہی اوسان خطا ہو گیا۔

۸۔ مجھ سے جو ذرا دودھ کا برتن الٹ گیا تو اماں جان چڑھ کر بولیں "یہ ہیں آپ کے کرامات"۔

۹۔ منیجر صاحب کو کہیں کہ ایک عدد "سنہری گھنٹی" بھجوا دیں۔

۱۰۔ کیا آپ پیام تعلیم میں یہ نہ لکھا کریں کہ پیام برادری کی رفتار کیا ہے۔

معمے کے قواعد: ۱۔ حل کے ساتھ ۲ ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔ ۲۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں، ۴ حلوں کی رعایتی فیس ۶/ ۳۔ ۸ حلوں کی ۱۰/ ہے۔ دونوں انعام تقسیم کر دیے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔ ۴۔ تمام حل رسالہ پہنچنے کے پندرہ دن بعد دفتر پیام تعلیم دلی پہنچ جانے چاہئیں۔ ۵۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ ۶۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوپن بھی لیے جائیں گے، کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔ ۸۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ ی۔ ے

۹۔ پتہ: سب ایڈیٹر پیام تعلیم۔ مکتبہ جامعہ، دلی۔ قرول باغ

پروجیکٹ نمبر ۳
شمارہ نمبر ۳
اگست ۵۰ء

غلطیاں نہ کرو "کوپن"

نام ....

عمر .... درجہ ....

پتہ ....

....

پیام برادری

شاخیں:-
۱- کشمیری گیٹ دلی
۲- قرول باغ - دلی
۳- ایبٹ آباد

کل ممبر ۱۶۸

پچھلے مہینے پیام تعلیم میں جو بی فنڈ کے لئے اپیل شائع ہوئی ہے مجھے امید ہے کہ سارے ممبر اپنی حیثیت کے مطابق اس فنڈ کی مدد کریں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم ایک یا تین دن کا جیب خرچ چندے میں دے دو۔ فنڈ کی مدد بھی ہو جائے گی اور تمھیں بھی کچھ بار معلوم نہیں ہوگا۔ ممبر کے لفافے میں اس فنڈ کی مد کے ٹکٹ رکھ کر بھیج سکتے ہو۔

غیرت علی خاں حسن ابدال کی یہ تجویز ہے کہ پیام تعلیم میں برادری کی ترقی کی رفتار بھی دکھلائی جائے۔ ان کی تجویز کے مطابق اسی مہینے سے یہ چیز شروع کر دی گئی ہے۔ اب ہر پرچے سے تمھیں برادری کی شاخوں اور ممبروں کی تعداد کا علم ہوتا رہے گا

تمھاری چھٹیاں ختم ہو گئیں اور پھر وہی صبح سے شام تک اسکول کی مصیبت۔ اوپر سے ریاضی کا گھنٹہ۔ چھٹیوں کا زمانہ کیسا گزرا کہ دے رہا ہے۔ ہے نا؟ تم حسرت سے یہ شعر پڑھ رہے ہو گے۔

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے ❊ دن عیش کے گھڑیوں میں گذر جاتے ہیں کیسے

ہاں بھئی ہمارے اسکولوں کی پڑھائی کا طریقہ کچھ ایسا ہی روکھا پھیکا ہے۔ لڑائی کے بعد تعلیم کے میدان میں بہت کچھ ہونے والا ہے کم از کم عمارتیں تو بڑی شاندار بنیں گی۔ شاید پڑھائی کا طریقہ بھی بدل جائے!

چھٹیوں میں کشمیری گیٹ اور قرول باغ کی برادری کا کام بہت ہی سست رہا۔ ہاں ایبٹ آباد کی برادری نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اب تینوں برادریاں ایک ایک ڈراما کھیلیں۔ بڑی دلچسپ چیز ہے [illegible] بہت اچھے مختصر ڈرامے چھاپے ہیں۔ ان میں سے کوئی چن لیں یا خود اپنی پسند کا کوئی ڈراما کریں۔ نام محمد [illegible] [illegible] جلد از جلد مجھے اپنی رائے سے مطلع کریں۔

ایبٹ آباد کی برادری ہر مہینے اپنا قلمی رسالہ "مکتب" میرے پاس بھیجتی ہے۔ میں اسے دیکھ کر واپس کر دیتا ہوں۔ مجھے انتہائی [illegible] ہے کہ پچھلا پرچہ جس میں بہت سے اچھے اچھے مضامین تھے، ڈاک خانے سے کھویا گیا۔ میں نے اور ایڈیٹر صاحب نے اس مہینے کا پرچہ دیکھا، پرچہ اچھا ہے۔ لیکن ہماری رائے ہے کہ نصیحت آمیز اور سبق آموز مضامین کے بجائے تفریحی، مزاحیہ اور دلچسپ

مضامین زیادہ ہونے چاہئیں۔ ہر بچہ کوئی نہ کوئی دلچسپ شرارت کرتا رہتا ہے کیوں نہ اسی کو اپنے الفاظ میں بیان کردے ۹ ہر پرچے میں ایک ڈراما بھی ہونا چاہیے۔ اگر ایک یا دو مزاحیہ تصویریں (CARTOON) بھی ہوا کریں تو کتنا اچھا ہو مجھے مکتب کے ایڈیٹر سے اُمید ہے کہ وہ آہستہ آہستہ رسالے کو اس معیار پر لے آئیں گے۔ افسانہ "مشرق و مغرب" مکتب کے لیے موزوں نہیں تھا

قرول باغ اور کشمیری گیٹ کی برادری سے میری پرزور اپیل ہے کہ وہ بھی اپنا اپنا قلمی رسالہ نکالیں اور پھر یہ تینوں برادریاں اپنے رسالوں کا آپس میں تبادلہ کرتی رہیں پسند ہے یہ تجویز تمھیں ؟

رپورٹ :-

ایبٹ آباد کی برادری کا چوتھا جلسہ عبدالکریم فاروقی کے گھر کے بجائے پھر اسی پہاڑی پر ہوا۔ اتفاق سے ادریس اس مرتبہ راولپنڈی چلے گئے تھے۔ اس لیے ایک نائب صدر کی ضرورت محسوس کی گئی، اور عبدالکریم کو یہ عہدہ پیش کیا گیا، مبارک باد! عبدالکریم جمیل نے لطیفے سنائے، محمد طارق۔ فقیر محمد اور علی رضا نے کہانیاں سنائیں۔ الطاف نے ایک مضمون کفایت شعاری پڑھا مقرر کردہ عنوان میں حفیظ اللہ۔ غلام رسول اور محمد جمیل نے حصہ لیا۔ صادق ملک نے روسی بچوں کا کچھ حال سنایا۔

خالد نعیم (جماعت ششم) نے ریل کے سفر میں ایک بڑھیا کی جان بچائی۔ یہ بے چاری بھیڑ میں پھنس کر بے ہوش ہوگئی تھی۔ خالد اپنے دوستوں کی مدد سے اسے بھیڑ میں سے نکال لائے خالد نعیم تم نے بڑا کام کیا۔

قرول باغ | ۲ جولائی کو قرول باغ کی برادری کا صدر اور سکریٹری کے انتخاب کے لئے ایک جلسہ ہوا۔ جلسہ بہت ہی کامیاب رہا۔ پیامیوں کے جوش و خروش۔ ان کی دوڑ دھوپ اور ہماہمی سے ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی سچ مچ کا بڑا الیکشن ہو رہا ہے۔ مفصل رپوٹ اگلے پرچے میں شائع ہوگی

معما :-

تمھیں ایک خوش خبری سنائیں۔ ہم نے معما نمبر ۲ جولائی سے "مسلسل انعام" کا سلسلہ شروع کیا ہے جو پیامی ۴ مہینے تک مسلسل انعام حاصل کرتا رہے گا، خواہ پہلا انعام، خواہ دوسرا انعام، وہ ایک خاص انعام کا مستحق ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی پیامی جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر کے معموں میں برابر انعام پاتا رہے تو وہ اس انعام کا حق دار ہو جائے گا جس پرچے میں چوتھے مہینے کا نتیجہ شائع ہوگا اسی میں "مسلسل انعام" کا ایک کوپن بھی چھپے گا۔ جن پیامیوں نے ۴ انعام مسلسل حاصل کئے ہوں وہ اس کوپن کو بھر کر بھیج دیں .... انعام تین روپے کا ہے۔

پیامی خواہ اس کی کتابیں منگالیں۔ خواہ نقد لے لیں۔ یہ تجویز عبدالسلام جودھپور کی تھی جو منظور کی گئی۔ عبدالسلام تمھارا شکریہ۔

بعض پیامی جو چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ کسی علیحدہ کاغذ پر معما حل کرکے بھیجتے ہیں وہ کاغذ کے دونوں طرف مثلاً بنلاتے ہیں یا ایک طرف معما ہوتا ہے اور دوسری طرف مضمون! اب ایسی کفایت بھی کیا! ایسا ہرگز نہ کریں

جون کے معمے کا نمبر ۶ ہونا چاہیے تھا۔ غلطی سے پانچ چھپ گیا۔

پہلا انعام ۔ معما نمبر ۶ جون سنہ ۵۵ء فی کس ۱۴ روپے

۱۔ محمد اقبال احمد، جودھپور
۲۔ شمیم محمود، دہلی
۳۔ محمد امین لاہور
۴۔ محمد شکیل پشاوری۔
۵۔ آصف علی خاں۔ بھوپال
۶۔ آصف انور جامعہ نگر، دہلی
۷۔ عبید الرحمٰن، قدوائی۔ بارہ بنکی
۸۔ محمد ہاشم خاں۔ امرتسر
۹۔ محمد حفیظ اللہ، جودھپور
۱۰۔ حامد رضا کریم۔ بھاگلپور
۱۱۔ ایم۔ ڈی عثمانی، جودھپور۔

پیامی اپنے پسند کی کتابیں بتائیں۔

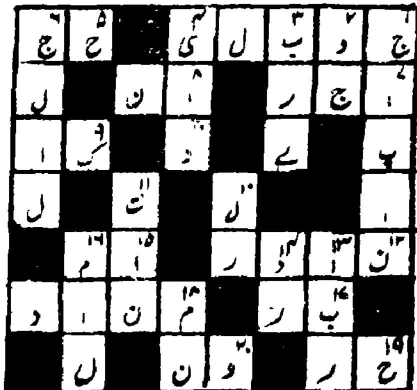
دوسرا انعام معما نمبر ۶ جون سنہ ۵۵ء فی کس ۳ روپے

۱۔ امیر علی، کلکتہ
۲۔ بلقیس۔ "
۳۔ محمد ظہیر۔ سیالکوٹ
۴۔ عبدالمجید۔ کانپور
۵۔ حسن ابو طالب۔ دہلی
۶۔ شیخ عبدالسلام۔ نصیر آباد
۷۔ غلام رسول ایبٹ آباد
۸۔ محمد اشتیاق عالم حصار
۹۔ محمد رشید خاں عباسی کراچی
۱۰۔ محمد اسلم۔ روہتک
۱۱۔ قادر محی الدین ت۔ نیر (ا۔ پ۔ ک)
۱۲۔ جمیل احمد، ٹلہ۔ دہلی
۱۳۔ محمد حمزہ۔ گیا
۱۴۔ محمد اسد، ایبٹ آباد
۱۵۔ حاجی حسین سلیمان بھاملا۔ بمبئی ۹
۱۶۔ ریاض الحمید۔ وردھا
۱۷۔ ضیاء الحمید "
۱۸۔ مرزا فصیح الدین بیگ آگرہ
۱۹۔ خواجہ فاروق صمدانی۔ دہلی
۲۰۔ عتیق الحسن۔ کلکتہ
۲۱۔ عبدالرحیم۔ پشاور
۲۲۔ شیخ عبدالعلیم عرف فیروز عالم کانپور
۲۳۔ محسن حامد۔ دہلی
۲۴۔ اے۔ آئی، گوائی۔ ٹھٹکلی
۲۵۔ شفق اے، مرزا۔ حیدرآباد سندھ
۲۶۔ قاضی عابد علی۔ جودھپور
۲۷۔ ایس اے، قاضی "
۲۸۔ م، ش، ع "
۲۵۔ محمد شرف احمد "

نئے ممبر - برادری ایبٹ آباد

نام	عمر	سال	خاص شوق	مسلمانوں کی خدمت
۱۵- مسعود الرؤف				
۱۶- انجم نذیر احمد	۱۶	"	"	علم حاصل کرنا
۱۷- دلیر دل	۱۰	"	"	ہاکی بیڈ منٹن کھیلنا
۱۸- مہر دل	۱۲	"	"	کہانیاں پڑھنا
۱۹- محمد اشرف	۱۵	"	"	علم کی ترقی۔
۲۰- علی رضا	۱۰	"	"	چوروں اور ٹھگوں کی کہانیاں پڑھنا۔
۲۱- غیرت علی خاں حسن ابدال	۱۵	"	"	تقریر، مضمون لکھنا، کتابیں جمع کرنا
۲۲- ابن الطارق، سنگھ بھوم	۹	"	"	اردو زبان کی خدمت کرنا
۲۳- سرتاج محمد، کلکتہ	۸	"	"	فٹ بال کھیلنا
۲۴- حامد رضا کریم، بھاگلپور	۱۰	"	"	مصوری
۲۵- رفیق احمد- مظفر نگر	۱۲	"	"	
۲۶- نسیم محمود، دہلی	۱۳	"	"	مطالعہ
۲۷- محمد حمزہ- گیا	۱۴	"	"	معما، مضمون نگاری
۲۸- محمد سعید اسلم- بہاولپور	۱۲	"	"	ٹکٹ، فوٹو اور سکے جمع کرنا
۲۹- محمد ذاکر حسین- اورنگ آباد	۱۱	"	"	حساب اور سائنس
۳۰- آصف انور، جامعہ نگر دہلی	۱۰	"	"	ڈرائنگ، مضمون نویسی[ل]

مشتاق بھائی



صحیح حل معما نمبر ۶

(جون ۱۹۵۱ء)

ل باقی نام اگلے پرچے میں

معمہ نمبر ۸

پہلا انعام عہ/

دوسرا انعام سے/

۱۔ انعام میں کتابیں دی جائیں گی

۲۔ انعام ایک ہی ہوگا

مشقی کوپن

۶ ے	۵	■	ک	۴ ی	۳ ر	۲ ج	۱ ت
	■	۸	■		ی	ا	۷ ف
و	۱۱ ق	۱۰	■	ل		ج	۹
■		۱۲ ف	■		■		■
۱۵	م	۱۴ ر	■	■	■	■	۱۳
ہ	■		۱۹ ا		۱۸ ے	۱۷ ر	۱۶ گ
ا	۲۲ ر	ف	۲۱	■			۲۰ و
ں		۲۴ ں	■		ب	و	۲۳ ت

دائیں سے بائیں

۱۔ جامعہ نے بچوں کے لئے اسکاؤٹنگ کی ایک نئی ... شروع کی ہے۔

۵۔ ایسی ... سو ... دور کچھ مد نظر نہ رکھا وحشیانہ طریقہ ہے۔

۷۔ ایسے شخص کی سوسائٹی میں کم ہی قدر ہوتی ہے

۹۔ ... پر ... لگا دو تو مجلّد بن جائے گا (بے ترتیب)

۱۰۔ آج ... کل ... یعنی ہمیشہ نقد۔

۱۲۔ ... بنا ... کہ زیادہ عرصے تک ... کی جاری رکھ سکے۔

۱۴۔ چہرے پر اس کا ... سا ہی ظاہر ہو جاتا ہے (بے ترتیب)

۱۶۔ ... تو جنگ سے سب ہی یہ معلوم ہوتے ہیں

۲۰۔ جامعہ کی جوبلی کے چندے کے لئے جامعہ ... کے کئی ... یہ ہندوستان کا دورہ کر رہے ہیں۔

۲۱۔ سفیر کی جمع۔

۲۳۔ استاد زمین گول ہونے کے ثبوت بتاؤ (الٹا) ... کتاب میں لکھا ہے۔ آپ کہتے ہیں ... والد صاحب کہتے ہیں۔

۲۴۔ اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جیسے سُرخ ... سیاہ، خارہ ... وغیرہ۔ (بے ترتیب)

اوپر سے نیچے

۱۔ ... انگریز سے ... مسلمان رہے۔
عمر سب ... یہ کہہ پائے ... (اکبر الہ آبادی)

۲۔ اس کا نہ ہونا خدا کی صفت ہے۔

۳۔ ... نشتر

۴۔ اکثر گھروں میں پیتا ہے (بے ترتیب)

۶۔ جامعہ سے ہمدردی ہو تو ... کو ... رکھو

۸۔ ... نے ... کی ناکامی کا اعلان کیا (بے ترتیب)

۱۱۔ ایک چیز ایسی کہلاتی ... ہر مذہب کا آدمی کھاتا ہے۔

۱۳۔ (طنزاً) ... لائق بیٹے۔

۱۵۔ حمیدہ۔ کبھی میں جب یاں جا رہا ہوں
وحیدہ۔ تعجب ہے ... ہو!

۱۷۔ ... گوں سے پیدا کیا

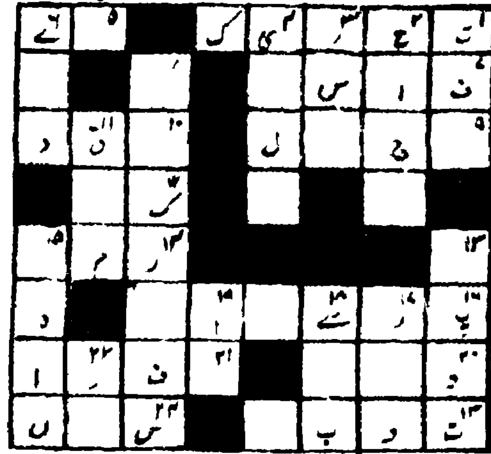
۱۸۔ ... عام طور پر ... اس کی سزا ختم ہوتی جا رہی ہے (بے ترتیب)

۱۹۔ لفظ بمعنی اُمید۔

۲۲۔ جسم کی وہ نلی جس میں خون رہتا ہے

معمے کے قواعد صفحہ ۳۴۸ پر (مضمون کے نیچے دیکھو)

معما نمبر ۸ کوپن نمبر



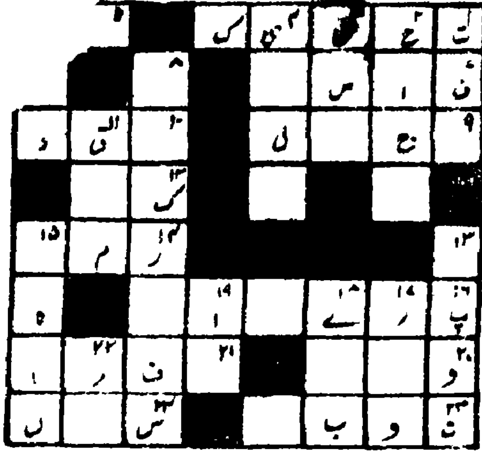
نام ....

پتہ ....

....

دستخط ....

معما نمبر ۸ کوپن نمبر



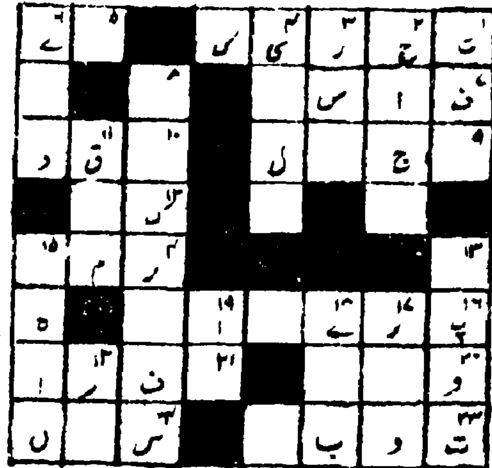
نام ....

پتہ ....

....

دستخط ....

معما نمبر ۸ کوپن نمبر



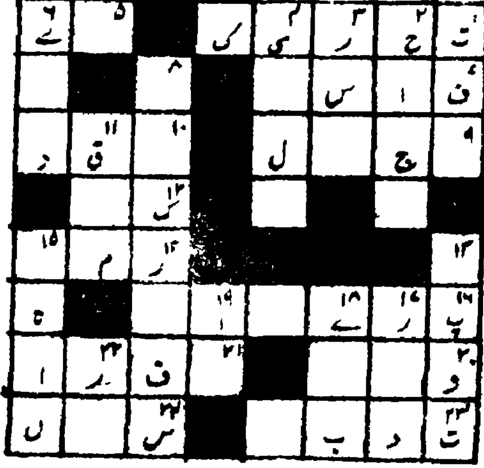
نام ....

پتہ ....

....

دستخط ....

معما نمبر ۸ کوپن نمبر

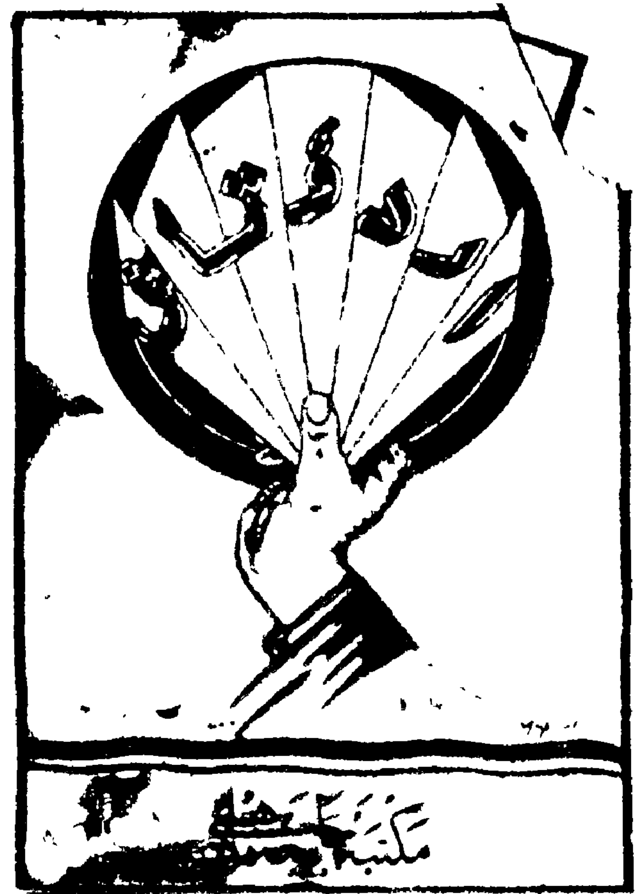


نام ....

پتہ ....

....

دستخط ....





اِس تاش کے کھیلنے سے صحیح لفظ بنانا
اور املا لکھنا آجاتا ہے یعنی اِس سے
لفظ اُسی طرح بنتے ہیں جس طرح،
یہ لکھے جاتے ہیں +

قیمت سادہ عہ باتصویر عہ

مرتبہ عبدالغفار مدھولی مدرس جامعہ نگر دہلی

مکتبہ جامعہ دہلی